تقاریر

از

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید

دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید

دینی بکڈپو اردو بازار دہلی

پہلا ایڈیشن ——— گیارہ سو

[illegible]

سنہ ۱۹۴۶ء

مطبوعہ

علمی پریس دہلی

فہرست

پیش لفظ

سحبان الہند حضرت مولٰنا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیتہ علماء ہند کے عالمانہ مضامین کے بعد اب یہ دوسرا مذہبی، اصلاحی، اور سیاسی تقریروں کا نادر اور بیش بہا مجموعہ اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے کہ اخبارات کے فائل گم ہو جانے کی وجہ سے ہم مولٰنا کی تقریروں کا مکمل مجموعہ شائع نہ کر سکے۔ جس کا ہمیں افسوس ہے۔ تاہم انتہائی تلاش و جستجو کے بعد اس وقت تک جسقدر مواد بھی فراہم ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ شائقین کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے کافی ہو گا۔

اور ہر تقریر کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو گا کہ حضرت مولٰنا سامنے تشریف رکھتے ہیں اور بیان فرمارہے ہیں۔

اس مجموعہ میں سب سے زیادہ مسرت کی چیز یہ ہے کہ ہر ہر تقریر کو حضرت مولانا سے نظر ثانی کرانے کے بعد اس مجموعہ کو شائع کیا ہے۔

نیاز مند

محمد سعید

یکم جون ۱۹۴۶ء

زلزلہ
کا
ایک ہولناک مظاہرہ

صدر محترم اور معزز خاضرین! آج کے جلسہ کا اجمالی خاکہ آپ کو اس پوسٹر کی شرح اور اس کے مضمون سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ جو نہ صرف دہلی کی دیواروں پر چسپاں ہے۔ بلکہ اُن پوسٹروں کی ایک معتد بہ تعداد جمیعتہ کی طرف سے ملک کے مختلف اطراف میں بھی روانہ کی گئی ہے۔ جلسہ کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کا جلسہ صوبہ بہار کی آفت رسیدہ مخلوق کی ہمدردی میں منعقد کیا گیا ہے۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ آفت کیا ہے، وہ مصیبت کون سی ہے۔ جس میں ہندوستان کا ایک صوبہ مبتلا ہو گیا ہے۔ صوبہ کے بعض اضلاع تو بالکل ہی تباہ ہو گئے ہیں جو زمین گلیوں اور بازاروں سے آراستہ تھی، اور جس زمین کو کبھی شہر کہتے تھے۔ جس پر عمدہ عمدہ دکانیں اور سر بفلک عمارتیں تھیں وہ زمین بجائے شہر کے ملبہ کا ڈھیر ہے زلزلہ کی ہیبت سے تمام عمارتیں یا تو نیست و نابود ہو گئی ہیں یا ان کے کلیجے شق ہو گئے ہیں۔ بہت سے چٹیل میدان ندیاں بن گئے ہیں اور بہت سی ندیاں خشک ہو کر چٹیل میدان بن گئی ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انقلابات کتنا

دیر میں ہوسئے اتنی بڑی تباہی اتنی بڑی بربادی اور اتنے بڑے انقلاب میں تین منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے ہیں تو حیرت زدہ ہو کر یہ کہا کرتا ہوں گویا یہ تمام کائنات قدرت کی ایک ہلکی سی ٹھوکر کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی یہ زمین اور اس کی پہنائی یہ آسمان اور اس کی چوڑائی و لمبائی یہ پہاڑ اور ان کی سربلندی یہ دریا اور ان کی روانی اور جوش و خروش یہ ہوائیں اور ان کا غل و شور یہ سورج اور اس کی چمک دمک یہ چاند اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی یہ تارے اور ان کی آنکھ مچولی یہ پھول اور ان کی کھلکھلاہٹ کلیاں اور ان کی مسکراہٹ، انسان اور اس کی یہ ہما ہمی کیا ہے یہ سب کچھ حضرت حق جل مجدہ کے ایک اشارے ہی کے محتاج ہیں ورنہ ان میں کیا رکھا ہے۔

ان اللہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان مسکھما من احد من بعدہٖ

حضرات بات ٹھکانے کی تو وہی ہے جو قرآن پاک نے کہی ہے کہ یہ زمین و آسمان قدرت کے سہارے کھڑے ہیں۔ اگر زمین اپنی جگہ سے ہل جائے یا آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائے تو سوائے ان کے کون ہے جو ان دونوں کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اور ان دونوں کو ان کی جگہ روک سکتا ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں ۔ ۱۵ر جنوری کو دہلی میں جو حرکت دو منٹ کے بعد رک گئی۔ اگر خدا نخواستہ نہ رکتی اور زمین میں جو حرکت پیدا ہوئی تھی وہ سکون پذیر نہ ہوتی تو زمین کے اس اضطراب کو سوائے خدا کے سکون دینے والا کون تھا۔

فللہ الحمد رب السمٰوٰت و رب الارض و رب العٰلمین

زلزلہ کیا ہے؟

حضرات آج کل اس نئی روشنی کی دنیا کا کچھ عجیب قاعدہ ہے۔ جب
کوئی حادثہ پیش آتا ہے یا کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس واقعہ کی تحقیق
کرنے کی غرض سے تحقیقاتی کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ یہ کمیٹیاں اپنی اپنی رپورٹ
مرتب کرتی ہیں۔ پھر ان پہ بحث و تمحیص ہوتی ہے۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ
ایک عرصہ ہوا جب امریکہ کا ایک بہت بڑا جہاز غرق ہوا تھا تو اس کی تحقیق
کے لیے بھی کمیٹی بنی تھی۔ امریکہ والوں کا دعویٰ تھا کہ یہ جہاز ڈوب ہی نہیں
سکتا، کاگ ڈوب جائے گا کاگ جانتے ہو؟ وہ جو بوتل یا شیشی میں لگا کرتے
ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو نہ ڈوبنے والی چیز ہے وہ پانی میں غرق ہو سکتی ہے
لیکن یہ جہاز ہم نے ایسے اصولوں پر بنایا ہے کہ یہ ڈوب ہی نہیں سکتا۔ یہ جہاز
سمندر میں چلایا گیا تو ایک برف کے ٹکڑے سے جو خدا جانے کہاں سے بہتا ہوا آرہا تھا۔
اس سے یہ جہاز ٹکرا گیا اور پانچ منٹ میں ان تمام دعاوی کے ہمراہ جو اس کے متعلق
کئے گئے تھے، پانی کی تہ میں چلا گیا۔ اور کسی خاموش طاقت نے امریکہ عقلاء کو ایسا
دنداں شکن اور منہ توڑ جواب دیا کہ بیچاروں سے آج تک اپنا منہ درست نہ ہو سکا
وہ خاموش طاقت جو برف کی نقاب چہرے پہ ڈال کر آئی تھی اپنا کام کر چکی تو پھر
بعد ازیں بہت چیخے چلائے تحقیقی کمیٹی بنائی اور آخر کو تھک تھکا کر بیٹھ گئے
اسی طرح گذشتہ دنوں برطانیہ کے عقلاء نے ایک بہت بڑا ہوائی جہاز بنایا تھا
جس کا نمبر غالباً ایک سو ایک تھا۔ اس کے متعلق بھی لاطائل دعاوی کئے گئے
کہ ایسا اور ویسا ہے۔ اس کی مشینری فیل نہیں ہو سکتی اور وہ تباہ نہیں
ہو سکتا، اور اس میں آگ نہیں لگ سکتی غرض خدا جانے اس جہاز کے متعلق

کیا کیا امیدیں قائم کی گئی تھیں۔ لیکن جب وہ ایک سو ایک صاحب فضائے آسمانی میں تشریف لائے تو اُن کو بھی کسی خاموش طاقت نے جو غالباً پٹرول کے ڈبے میں چھپی ہوئی تھی، موت کی نذر کر دیا۔ اور وہ جہاز ان تمام دعاوی کے ساتھ جلکر ایک خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ اس خلاف امید حادثہ کے بعد عقلاء برطانیہ چیخے چلائے روئے بیٹے تحقیقاتی کمیٹی بھی بنائی اور آخر کو سر ٹیک کر بیٹھ گئے، اور آج تک اُس خاموش طاقت اور خفیہ ہاتھ کا پتہ نہ چلا سکے۔

وله الكبرياء في السموت والارض وهو العزيز الحكيم

۱۵ جنوری کے زلزلہ کی تحقیقات کے لئے بھی ایک کمیٹی حکومت نے بنائی ہے۔ اس سے پیشتر بھی جب کبھی دُنیا میں زلزلے آئے ہیں تو انکی حقیقت معلوم کرنے کے لئے خاص طور پر کوشش کی گئی ہے۔ اور ایک حد تک زلزلہ کے اسباب و علل کو دریافت کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کچھ معلوم ہوا ہے یہ آخری بات ہے، اور آئندہ کسی نئے انکشاف کی امید نہیں ہے۔ بہر حال جو کمیٹی بنائی گئی ہے وہ اس زلزلہ کا مرکز دریافت کرنے کے بعد اس امر پر غور کرے گی کہ یہ زلزلہ کس طرح آیا۔ طبقات الارض کا کونسا طبقہ ٹوٹ کر اندر جا بیٹھا جس سے زمین کے اندر لہریں پیدا ہوئیں، اور دس منٹ میں اتنے بڑے بڑا اعظم کو ہلا کر رکھدیا۔ لارڈ ولنگڈن مایوسانہ اور عاجزانہ نگاہوں سے دیکھتے رہے اور گورنر بہار بھی سراسیمہ و پریشان اس اندوہناک منظر کو دیکھا رہا۔ مادی طاقت کے یہ بڑے بڑے دیوتا بحری اور بری فوج کے لاکھوں سپاہیوں کی موجودگی میں زمین کی اُس تھرتھری کو نہ روک سکے، اور نہ منتشر کر سکے جو نیپال کی ترائی سے شروع ہو کر بہار کو تباہ کرتی ہوئی لاہور تک پہونچی تھی، جس حکومت کی پولیس نے سینکڑوں جلسوں اور جلوسوں کو منتشر کر دیا ہو اور بڑے بڑے

خفیہ اور علانیہ ایجی ٹیشنوں کو حکومت دبا چکی ہو اُس سے زلزلہ کا ایک جھٹکا بھی نہ دبایا جا سکا اور نہ منتشر کیا جا سکا۔

وما انتم بمعجزین فی الارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر۔

حضرات فلسفہ قدیم و جدید کی رائے میں زلزلہ کی حقیقت کچھ ہی ہو اور سائنٹیفک اصول کی بنا پر آپ زلزلہ کی خواہ کوئی تعریف کریں اور آپ کی تحقیقاتی کمیٹی خواہ کسی نتیجے پر پہنچے لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ زلزلہ کسی خاموش طاقت اور خفیہ قوت کے جلال و جبروت کا ایسا ہولناک مظاہرہ ہے، جس کا تحمل اس کے عاجز بندے پانچ سکنڈ بھی نہیں کر سکتے۔ جب کبھی دُنیا میں الحاد اور دہریت کو عروج ہوتا ہے اور خدا کے بندے خدا کو فراموش کر دیتے ہیں۔ تو خدا کی خاموش طاقتیں اپنے مظاہر اسی طرح دُنیا کے سامنے پیش کیا کرتی ہیں تاکہ بھٹکے ہوئے لوگ سنبھل جائیں اور جو لوگ گمراہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ ٹھیک ہو کر اپنی بیڈھنگی چال کا جائزہ لے لیں اور اپنی غلط کاریوں اور بداعمالیوں سے باز آجائیں۔ اور ان افعال کا ارتکاب ترک کر دیا جائے جو خدا کی مخلوق کے لئے باعث ننگ و رسوائی ہیں۔

خاموش طاقت کی حرکت

جدید تحقیقات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب طبقات ارض میں کوئی غیر معمولی انقلاب ہوتا ہے اور زمین کا کوئی بہت بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر خلا میں جا گرتا ہے تو زمین کے اندر ایسا ہی تموج پیدا ہوتا ہے جیسے سمندر کے پانی یا فضاء آسمانی کی ہواؤں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ یہ موجیں زمین کو ہلاتی ہیں اور زمین اس طرح ہلنے لگتی ہے جیسے وہ کسی کشتی میں رکھی ہے، اور کشتی دریا میں پڑی ہوئی

ہے۔ میں عرض کرتا ہوں آپ کا نظریہ کتنا ہی صحیح ہو لیکن ٹھیک بات وہ ہی ہے کہ ایک پوشیدہ طاقت ہے جو دریاؤں اور ہواؤں کو روز حرکت دیا کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی زمین جس کا جمود و سکون مسلم ہے۔ جس کے جمود پر ہمیں ایسا بھروسہ ہے کہ سربفلک عمارتیں بناتے چلے جاتے ہیں۔ اس کو بھی وہ خاموش طاقت اسی طرح ہلا دیتی ہے، جس طرح دریا اور سمندر ہلایا کرتے ہیں۔ سمندر کی حرکت پر آپ کو یقین ہے۔ بحری خطرات سے ہر شخص کرۂ ارض واقف ہے۔ حتیٰ کہ ملحدین و بت پرست بھی جب کبھی دریائی سفر کرتے تھے تو خدا کو مخلصین کی طرح پکارا کرتے تھے۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین

چونکہ دریا کو ہلتا ہوا دیکھتے تھے تو کشتی کے غرق ہو جانے کا خطرہ ہوا کرتا تھا جب زمین پر اتر آتے تھے، تو خیال کرتے تھے کہ اب ہم خطرے سے بچ گئے، اور سمندر اور دریا میں جس طاقت کے خوف سے ڈرتے تھے خشکی میں آکر اس قوت کو فراموش کر دیا کرتے تھے، اور احمق یہ سمجھتے تھے کہ زمین چونکہ ساکن ہے، اس لئے اس پر غرق ہونے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہے ایسے کور باطن اور احمقوں کے متعلق ارشاد فرمایا۔

افامنتم ان یخسف بکم جانب البر او یرسل علیکم حاصبا ثم لا تجدوا لکم وکیلا ۝ ام امنتم ان یعیدکم فیہ تارۃ اخری فیرسل علیکم قاصفا من الریح فیغرقکم بما کفرتم ثم لا تجدوا لکم علینا بہ تبیعا ۝

غالباً یہ سمجھ کر نڈر ہو گئے کہ ہم اب دریا سے خشکی پر پہنچ گئے۔ اب ہمارا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اب ہم غرق ہونے اور ہلاک ہونے کے امکان سے

بچ گئے ایسے بیوقوفوں کو قدرت نے خطاب فرما کر کہا جس خطرے کے باعث تم دریا میں مجھے پکار رہے تھے وہ خطرہ اب بھی موجود ہے۔ کیونکہ جو طاقت دریا کو ہلا رہی تھی وہ ہی طاقت زمین کو بھی دریا کی طرح ہلا سکتی ہے۔ وہاں غرق ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور یہاں دھنس جانے کا اندیشہ ہے وہ طاقت جو سمندر میں تموج پیدا کر سکتی ہے۔ وہ زمین بھی لہریں پیدا کر سکتی ہے۔ زمین پھٹ جاتی ہے۔ اور زمین کے بسنے والے زمین کی تہ میں اسی طرح اترتے جاتے ہیں۔ جس طرح کشتی پر بیٹھنے والے دریا کی تہ میں غرق ہو جاتے ہیں۔ پھر ہلاکت کی صورت صرف دریا میں ڈوب جانا، یا زمین میں دھنس جانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ تم زمین پر بیٹھے رہو اور آسمان پر سے تم پر پتھر گرا کر تمکو ہلاک کر دیا جائے۔ یہ کیسا احمقانہ خیال ہے کہ دریائی سفر کے ختم ہوتے ہی خطرات سے بیخوف ہو گئے، اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ پھر کسی ضرورت سے دریا کا سفر پیش آجائے اور پھر کشتی پر بیٹھنا پڑے اور جس خطرے سے نکل کر بیخوف ہوئے تھے، اسی خطرے سے پھر دوچار ہونا پڑے، اور جس طرح پہلی مرتبہ تمکو اس سے نجات دیدی تھی اس مرتبہ تمکو غرق کر کے ہلاک کر دے، اور کوئی تمہارا حمایتی اور مددگار بھی نہ ہو۔ جو ہمارا پیچھا کر سکے یا ہم سے تمہارے متعلق سوال کر سکے، جب حالات یہ ہوں خشکی و تری کا مالک دونوں چیزوں پر پورا کنٹرول رکھتا ہو تو اس کو جس طرح دریا میں فراموش نہیں کر سکتے، اسی طرح خشکی اور جنگل میں بھی اسکی بے پناہ طاقت سے بے خوف نہیں ہو سکتے۔

ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ

زمین و آسمان

حضرات! یہاں خشکی اور تری دریا اور جنگل سمندر اور صحرا کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو کائنات کی حکومت کا سوال ہے۔ زمین اور دریا تو عالم سفلی کے بعض حصص کا نام ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ عالم علوی پر کس کی حکومت ہے اس آسمان کو جسے آپ حد نگاہ کہتے ہیں کون روکے بیٹھا ہے یہ کس کے قبضہ میں ہے یہ کیوں نہیں ٹوٹ کر گر پڑتا اس کا کوئی حصہ اس سے علیحدہ ہو کر کیوں زمین پر نہیں آپڑتا۔ یہ بے ستون کی چھت کس کے سہارے کھڑی ہے۔ اس کی نگرانی کس کے ذمہ ہے۔ کون اس کا نگہبان اور محافظ ہے۔ یہ چاند سورج آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کیوں نہیں ہو جاتے یہ تارے آسمان ہی سے جھڑ کر زمین پر کیوں نہیں آگرتے تم سمجھتے ہو کہ اس خاموش طاقت کا اثر عالم سفلی پر ہے۔ نہیں نہیں جس طرح اس طاقت کا پورا اثر اور کنٹرول عالم سفلی پر ہے۔ اسی طرح عالم علوی بھی اس کا زیر نگیں ہے۔

ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ

عالم علوی کا یہ سب سے بڑا کرہ انہی کے سہارے کھڑا ہے وہ چاہیں تو ایک منٹ میں اس آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں اور یہ زمین جو نہین منٹ کی تھرتھری کے بعد سکون پذیر ہوگئی۔ وہ چاہیں تو ایک پل میں ریزہ ریزہ کر دی جائے۔ یہ پہاڑ جن کو آپ بڑا مضبوط سمجھتے ہیں، ان کے ایک اشارے سے روئی کے گالے بن کر بادلوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں۔

وتکون الجبال کالعھن المنفوش۔ اور فرماتے ہیں وھی تمر مر السحاب۔ غرض بڑی سے بڑی مخلوق اور کائنات کا بڑے سے بڑا کرہ

ان کے حکم اور ان کے اشارے کا منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور کب یہ چیزیں موت کا پیالہ پی کر فنا ہو جائیں۔

اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیھا وتخلت واذنت لربها وحقت ۞

معزز حاضرین! اس کائنات میں اسی خاموش قوت کی کارفرمائیاں ہیں اور عالم علوی کا کوئی کرّہ ہو۔ یا عالم سفلی کا کوئی حصہ ہو سب کے سب مسخر اور اسی قوت کے مطیع و منقاد ہیں۔

وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہٖ ۞

حضرات اس خالق کائنات کے سامنے اس کائنات کی حیثیت اتنی بھی تو نہیں جتنی پہاڑ کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی ہوتی ہے۔

۱۵ر جنوری کا زلزلہ جس نے تین منٹ کی مدت میں شہر کے شہر تہ و بالا کر دیئے آپ ان شہروں کی آبادی کا تصور کیجئے، جو شہر تین منٹ میں ڈھا یا جائے اس شہر کے بسنے والے کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ تباہی بھی بلا کسی نوٹس اور اطلاع کے نازل ہوئی یہی وجہ ہے کہ جو لاشیں اب نکل رہی ہیں، انکی عجیب ہیئت بیان کی جا رہی ہیں۔ کہیں ایک شیر خوار بچہ ہے، جو اپنی ماں کی چھاتی منہ میں لئے ہوا ہے۔ بچہ زندہ ہے، ماں کی چھاتی منہ میں ہے۔ اور ماں مُردہ ہے۔

ایک جوان لڑکی ستون سے لپٹی ہوئی ہے اور مُردہ ہے۔ ایک حکیم صاحب عبدالغفور نامی وضو کر رہے تھے، ایک ہاتھ میں لوٹا ہے اور ایک ہاتھ سے اپنا پاؤں پکڑے ہوئے دھو رہے ہیں اور اسی حالت میں مکان گر پڑا ہے۔

لاش اسی حالت میں نکلی ہے لوٹا ایک ہاتھ میں پاؤں ایک ہاتھ میں۔

دربھنگہ کے بازار میں عید کے لئے خرید و فروخت ہو رہی ہے، ایک پاؤں جوتی میں ہے، اور ایک جوتی دکاندار کے ہاتھ میں ہے۔ بزاز کے ایک ہاتھ میں گز ہے، دوسرے ہاتھ میں کپڑا ہے گاہک سامنے بیٹھا ہے کہ دونوں دب گئے۔ کوئی کھڑا ہے۔ تو کھڑا ہی دب گیا اور کوئی بیٹھا ہے تو بیٹھے ہی بیٹھے دب کر رہ گیا۔

عورتوں کی گھبراہٹ

جو لوگ بہار کی تہذیب سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہوں گے کہ وہاں کی مسلم خواتین کس قدر پردہ کی پابند ہیں۔ شرفا اور امرا کی بیگمات کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ان کے دامن تو فرشتوں کی نگاہوں سے بھی محفوظ ہیں۔ غربا اور مسلمانوں کی عورتیں بھی باہر نکلنے کی عادی نہیں ہیں، اس قیامت خیز زلزلہ نے ان معصوموں کے ہوش گم کر دیئے اور وہ بجائے دروازے سے باہر بھاگنے کے ڈر کر اندر بھاگیں، صحن کی عورتیں دالان میں اور دالان کی عورتیں گھبراہٹ سے کوٹھریوں کی طرف دوڑیں۔ پھر غضب یہ کہ اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی جنہیں عورتیں فطرتاً اپنا سرمایۂ حیات اور زندگی کا سہارا سمجھتی ہیں لیکر بھاگیں، ہائے وہ یہ نہ سمجھیں کہ کوٹھری اور دالان بیرونی مصیبتوں کے بچاؤ کی چیزیں ہیں۔ لیکن جب مصیبت کا گہوارہ ہی دالان اور کوٹھریاں ہوں وہ پناہ تلاش کرنے والوں کو کس طرح بچا سکتی ہیں۔ عورتوں کی اس بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی جانیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ضائع ہوئیں۔

محترم حاضرین! صوبہ بہار کا تمدن وہاں کی تہذیب اور وہاں کی تاریخی روایتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ اس دور جدید میں بھی وہاں، اسلامی تہذیب کے

بہت زیادہ اثرات موجود ہیں۔ ایک زمانہ میں تو صوبہ بہار علم و عمل کا مرکز اور محور تھا۔ بالخصوص معقولات کا فن تو بہار کی خصوصیات سے تھا۔ آج بھی صوبہ بہار میں سیکڑوں خانقاہیں اور ہزارہا شہداء کے مزارات ہیں۔ بزرگان دین کے مزارات آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہیں جہاں لوگ دور دور سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے امراض باطنیہ سے صحتیاب ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی صوبہ بہار میں علماء اور صوفیا کی کافی تعداد ہے۔ اگرچہ اس صوبہ میں مسلم آبادی بہت کم ہے۔ شاید دس یا بارہ فیصدی آبادی مسلمانوں کی ہوگی۔ شہروں میں تو کچھ آپ کو مسلمان نظر آئیں گے لیکن میلوں ایسے دیہات آپکو ملیں گے جہاں پورے گاؤں میں ایک مسلمان بھی آپ کو نہیں ملے گا۔ اس مذہبیت کا یہ اثر ہے کہ وہاں کی خواتین زیادہ محتاط ہیں۔ شاید بجز پٹنہ کے اور کہیں پردہ باغ بھی نہ ہوگا۔ دہلی میں تو ایک پردہ باغ موجود ہے۔ اور ایک اور تعمیر ہونے والا ہے۔ اب کوئی باغ کمیونل لائن پر تعمیر ہونے والا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ اب پردہ باغ صرف مسلمان عورتوں کے لیے بنے گا۔ صوبہ بہار کی عورتیں گھروں سے نکل کر بھاگتیں تو کہاں جاتیں۔ جو عورتیں کبھی گھر سے نکلنا نہ جانتی ہوں وہ نکلتیں بھی تو کہاں جاتیں۔ خود آپ دہلی میں دیکھئے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں کیا ہوا تھا۔

آج بھی اگر دہلی کے کنوؤں کو تلاش کیا جائے، اور جو کنوئیں بند ہو چکے ہیں ان کو کھدوا کر دیکھا جائے تو قلعہ معلی کی صدہا خواتین کی ہڈیاں برآمد ہونگی۔ وہ شریف عورتیں جو مخمل کے فرش پر بھی چلنے سے گھبراتی تھیں اور اطلسی فرش پر چلنے سے بھی ان کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ جب ان کو قلعہ معلی سے نکل کر جنگلوں میں اور پہاڑوں میں چلنا پڑا تو انھوں نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ اور مختلف کنوؤں میں انہوں نے گر کر

جان دیدی ایک انگریز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے سڑک پر چند عورتوں کو دیکھا کہ ان کے خاوندوں نے پہلے ان کو قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔ شالوں میں لپٹی ہوئی لاشیں خانہ کے بازار میں پڑی ہوئی تھیں، خاوندوں نے اس خوف سے قتل کیا کہ ان کی عصمت دری نہ ہو، اور پھر اپنے آپ کو بھی قتل کر لیا اور خودکشی کر لی انقلاب سخت خوفناک چیز ہے، اور وہ بھی تین منٹ کا انقلاب، تین منٹ میں جو کچھ نہ ہونا تھا وہ سب کچھ ہو گیا۔ بڑے بڑے مالدار غریب اور روٹیوں سے محتاج ہو گئے جو مکاندار تھے اور سینکڑوں ہزاروں روپیہ کے کرایہ خوار تھے آج ان کے پاس رہنے کو مکان نہیں ہے، وہ جنگل میں چادر تانے پڑے ہیں۔ اس مار مٹی کا قصہ آپنے سن ہی لیا جو لکھ پتی تھا۔ لیکن چمار سے مٹھی بھر چنے مانگ رہا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ صرف صور کی آواز نہ تھی ورنہ قیامت میں کوئی شک نہ تھا حضرت شاہ حبیب اللہ صاحب مظفرپوری کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ شاہ حبیب اللہ صاحب صوبہ بہار کے ایک مشہور بزرگ ہیں اور مجھ پر خاص طور سے بہ کرم فرماتے ہیں۔

صاحبو! بات یہ ہے کہ حضرت حق اگر اپنے جلال و جبروت کا مظاہرہ کرنے پر آجائیں تو ان کو کون روک سکتا ہے کا معقب لحکمہ۔ ان کے لئے عالم سفلی اور علوی دونوں کی حیثیت یکساں ہے دونوں عالم اپنے وجود و بقا میں ان ہی کے محتاج ہیں زمین کو اور آسمانوں کو خود بھی ان کی خدائی اور اپنی بندگی کا اعتراف ہے ان دونوں کو زندگی عطا کرتے وقت ارشاد ہوا تھا۔ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۝

بھائیو! اطاعت تو زمین و آسمان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، وہ بھی مترانی نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ حضرت حق جل مجدہ کو زمین و آسمان کے ہر حصہ

اور ہر گوشہ پر ہر قسم کا حق تصرف اور حق ملکیت حاصل ہے۔ اسلئے خدائی زبان میں اپنی قوت وطاقت کا اعلان ذیل کے الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء ان فی ذالک لآیۃ لکل عبد منیب ہ

زلزلہ کے بعد بارش

حضرات! بہار کے مصائب کا خاتمہ یہیں نہیں ہوتا بلکہ جو بے خانماں جنگل میں درختوں اور کپڑے کی چادروں کے نیچے پڑے ہوئے ہیں ان پر بارش برس رہی ہے، سرد ہوائیں چل رہی ہیں، گویا قدرت اپنے سب کام اپنے وقت پر نہایت بے نیازی اور استغنا کے ساتھ کر رہی ہے۔ جو مکان گرنے سے بچ گئے تھے لیکن زخمی کھڑے ہوئے تھے ان کو بارش موت کے گھاٹ اتار رہی ہے۔ حضرت حق کی پالیسی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام شہر از سرنو بسانا چاہتے ہیں، ابھی تک سینکڑوں لاشیں دبی ہوئی پڑی ہیں۔ جو آہستہ آہستہ نکالی جا رہی ہیں۔ لاشوں کے پھٹ جانے اور پھول جانے سے تمام گلیاں بدبو دار اور تعفن کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں، زمین کی کپکپاہٹ اور تھرتھری کی یہ حالت ہے کہ روزانہ ایک دو دفعہ زلزلے کے جھٹکے ہو جاتے ہیں، جو مر چکے وہ تو مر ہی چکے جو زندہ ہیں وہ موت اور تباہی کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر

صاحبو! یہ کیا زندگی ہے۔ پہننے کو کپڑا نہیں کھانے کو روٹی نہیں، رہنے کو مکان نہیں جس زمین پر بیٹھے ہیں۔ اُس کو سکون نہیں، بارش کا زور ہوا کا شور سردی کا موسم اعزا کی لاشیں شہر کا تعفن۔

یتامیٰ کی چیخ و پکار!

بیوہ عورتوں کی نالہ و بکا غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں جو اہل بہار پر نہ آئی ہو۔ ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا۔

مولانا ابوالمحاسن صاحب نے لکھا ہے کہ میں ہندوستان کے یتیم خانوں سے خط و کتابت کر رہا ہوں کہ وہ کس قدر یتیم لے سکتے ہیں۔ مجکو فرماتے ہیں کچھ تو بھی دہلی کے یتیم خانوں سے دریافت کر کے دہلی کے یتیم خانے کتنے یتیم لینے کو تیار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ بہار کیا ہے انقلاب کا ایک نمونہ ہے ہم تو دہلی کو کہا کرتے تھے کہ یہاں تاجداروں اور ہاتھی نشینوں کی اولاد کو بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ بہار میں بڑے بڑے مالداروں کو آج بھیک مانگتے دیکھ لو جو کل تک خود دوسروں کو کھلاتے تھے۔ آج منگتا ہیں، جو کل تک ہرے بھرے تھے۔ آج ان میں ایک شاخ بھی نہیں جو کل تک زندہ تھے۔ وہ آج مردہ ہیں جو کل ماں باپ والے تھے آج یتیم ہیں۔ جو عورتیں کل خاوند والی تھیں وہ آج بیوہ ہیں یہ قیامت خیز زلزلہ اگر دہلی میں آجاتا تو تم کیا کرتے آج تمہاری کیا حالت ہوتی ۵۷ء کی تباہ شدہ دہلی آج تک نہیں سنبھل سکی حالانکہ وہ انگریزوں نے تباہ کی تھی اور انگریزوں کی تباہی اور قدرت کی تباہی میں بڑا فرق ہے۔ کیا جو نقصان بہار کو پہنچ گیا ہے۔ اسکی تلافی پچاس سال میں بھی ممکن ہے۔ مرنے والے تو واپس آ نہیں سکتے۔ زندوں کا جو نقصان ہوگیا ہے اسکی بھی تلافی نہیں ہو سکتی کروڑوں روپیہ کا مال تباہ ہوا ہے۔ جو کوڑیوں کی قیمت کا بھی نہیں رہا

کرفیو آرڈر!

وہ ہمارے ہاں ایک مثل ہے ناچوروں سے جو کچھ بچا وہ فال

کھائی میں گیا۔ دنیا تو اپنی مصیبت میں مبتلا ہے لیکن ایک طرف تو بہار ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف سنئے کہ دنیا بھر کے بدمعاش اور چور وہاں پہونچ گئے ہیں چوری کے فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہاں کی حکومت نے مجبوراً کرفیو آرڈر جاری کیا ہے۔ جب میں نے یہ عنوان اخبار میں پڑا تو مجھکو حیرت ہوئی کہ وہاں کانگریس کی تحریک کب سے شروع ہوگئی یا کوئی فرقہ وارانہ فساد ہو گیا۔ لیکن عجیب و غریب خبر تھی تو کسقدر افسوس ہوا کہ یہ لیجئے دنیا تباہ ہو رہی ہے لوگ برباد ہو رہے ہیں اور چوروں کو اپنی پڑی ہوئی ہے۔ یہ مردود خلق خدا کو لوٹنے کیلئے پہونچ گئے۔ اگر حکومت بہار اپنی دانشمندیوں کا ثبوت نہ دیتی تو شاید یہ بدمعاش مصیبت زدوں کو لوٹ کر کھا جاتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سنہ ۱۲۴۹ھ کا زلزلہ

حضرات! پہلے تو یہ سن رہے تھے کہ یہ زلزلہ تاریخ میں پہلا زلزلہ ہے۔ آج تک کبھی ہندوستان میں ایسا زلزلہ نہیں آیا۔ بڑے بڑے بڈھے کہتے ہیں ایسا زلزلہ ہم نے نہیں سنا۔ ایسوشی ایٹڈ کا ایک بیان آیا ہے کہ اب سے سو سال پہلے بھی ایسا ہی ایک زلزلہ آیا تھا۔ بعض حضرات کے قلمی مسودوں میں بھی اس گذشتہ زلزلہ کا ذکر موجود ہے وہ تحریریں اب شائع ہو رہی ہیں۔ دنیا کی بھول کا بھی کیا ٹھکانہ ہے۔ اس زمانہ کے بڈھے کہتے ہیں ہم نے ایسا زلزلہ نہیں سنا۔ یہ بڈھے خدا جانے جوانوں کا دل رکھنے کو کہہ دیتے ہیں یا واقعی ان کو یاد نہیں رہتا۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں جب صبح کو زلزلہ آیا ہے۔ اور جس میں کانگڑہ تباہ ہو چکا ہے تو اس کا جھٹکہ دہلی میں بھی نہایت زور سے ہوا تھا۔ اس وقت اللہ بخشے میری دادی اماں زندہ تھیں۔ انھوں نے اس وقت

بتایا تھا کہ جس دن مرزا جواں بخت کی شادی ہو رہی تھی۔ اس دن بھی ایسا ہی سخت زلزلہ آیا تھا۔ اب جواں بخت کی شادی لامحالہ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہوئی ہوگی اور بہت ممکن ہے کہ جس زلزلہ کو دادی اماں بتاتی تھیں وہ وہی زلزلہ ہو جو ۱۸۳۳ء میں آیا تھا۔ مرزا جواں بخت بہادر شاہ کے ولی عہد تھے، بہر حال بعض قلمی مسودات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۳۳ء میں بھی ایسا ہی ہولناک زلزلہ آچکا ہے، لیکن اس میں اتلاف جان بہت کم ہوا تھا۔ کیونکہ وہ دفعۃً نہیں آیا تھا، بلکہ اس کے آہستہ آہستہ جھٹکے آتے رہے، اور رات کو ایک دم زوردار زلزلہ آگیا، چونکہ لوگ سرِ شام ہی میدانوں میں نکل گئے تھے، اس لئے اس زلزلہ کی زد سے محفوظ رہے۔ اگرچہ مالی نقصان اس میں بھی بہت زیادہ تھا اور زوردار زلزلہ آنے کے بعد ایک سال سے زائد یہ زلزلہ جاری رہا تھا۔ دوسرے تیسرے روز جھٹکہ محسوس ہوا کرتا تھا یہی حالت اس دفعہ ہوئی ہے۔ لیکن اس دفعہ اچانک اور دفعۃً جھٹکا شروع ہوا جس سے کوئی مکان گرنے سے محفوظ نہیں رہا کم و بیش پچاس ہزار جانوں کا اتلاف ہوا مساجد و معابد تمام منہدم ہو گئے۔ خانقاہوں کے گنبد اور مجلس خانہ چکنا چور ہو گئے۔ تبرکات جن عمارتوں میں رکھے ہوئے تھے، ان کو بھی نقصان پہونچا بہر حال ۱۸۳۳ء کی تباہی سے ۱۹۳۴ء کی تباہی بہت زیادہ ہے۔ اور آپ حضرات کی توجہ کی بہت زیادہ مستحق ہے

اِمداد کی ضرورت اور اسکا طریقہ

معزز حاضرین آپ نے اہل بہار کے مصائب سنے اگر ان مصائب کو دریا فرض کریں تو یہ اُن میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ہیں۔ اُن کے مصائب کی داستان ایسی اثر گداز ہے کہ بیان کرنے والا اُس میں مبالغہ نہیں کر سکتا کیونکہ

جس قدر مبالغہ کیا جائے گا وہ صحیح ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان مصائب کا تصور بھی ہمارے امکان سے خارج ہے۔ جب حالت یہ ہو جو عرض کی گئی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو تو آپ ہی فرمائیے ان کو کسقدر امداد کی ضرورت ہوگی۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی اسلامی مواساۃ و مواخاۃ کا تقاضا یہ ہے کہ ان مصائب زدگان کی جسقدر امداد و اعانت ہو سکتی ہے وہ کی جائے صرف مساجد کی تعمیر ہی کے لئے پچیس ۲۵ لاکھ روپیہ کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جب مساجد کی تعمیر کا یہ حال ہے تو فرمائیے کہ مکانات کی تعداد تو مساجد سے زیادہ ہی ہے۔ مکانات کی تعمیر میں کسقدر روپیہ کی ضرورت ہوگی مونگیر کے متعلق تو ابھی اخبار میں شائع ہوا تھا کہ تمام شہر میں صرف چار مکان محفوظ رہے ہیں۔ مظفر پور۔ دربھنگہ۔ مونگیر۔ موتی ہاری، پٹنہ۔ سیتا مڑھی، یہ کوئی چھوٹے چھوٹے شہر نہیں۔ انکی آبادی اور انکی عمارتیں بہار کے اضلاع میں نمایاں تھیں، اتنے بڑے بڑے شہروں کو از سر نو آباد کرنا معمولی کام نہیں ہے۔ ابھی حضرت مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا تھا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کا اجر دیا گیا۔ اور ایک فاحشہ عورت کی نجات ہو گئی۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر تر جگر والے کے ساتھ سلوک کرنا ثواب کی بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اہل بہار کی اعانت و امداد کا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ وائسرائے سے لیکر ایک معمولی شخص کو اس کا احساس ہے جب زلزلہ آیا وائسرائے کلکتہ سے روانہ ہو رہے تھے۔ اس وقت لیڈی ولنگڈن نے خوب بات کہی تھی کہ جب ہم مدراس سے چلے تھے، تو سخت آندھی آئی تھی اب کلکتہ سے چلے تو زلزلہ آرہا ہے۔ یہ بھی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ جب وائسرائے کہیں سے رخصت ہوتے ہیں تو طوفان اور زلزلہ ان کی

مشابہت کرتا ہے۔ اس وقت لیڈی ولنگڈن کو شاید یہ خیال نہ ہوگا کہ یہ زلزلہ تباہ مت نما ہے۔ جب زلزلہ کے واقعات معلوم ہوئے تو وائسرائے نے اپیل کی اور ان کے فنڈ میں اس وقت تک لاکھوں روپیہ جمع ہوچکا ہے۔ بہرحال بڑے سے لیکر چھوٹا تک اہل بہار کی امداد میں مصروف ہے۔

امداد کی ضرورت

محترم حاضرین! اہل بہار کی امداد کے لیے اس وقت تین فنڈ کھلے ہوئے ہیں، ایک وائسرائے فنڈ جس میں اس وقت تک تقریباً نو لاکھ روپیہ جمع ہوچکا ہے۔ دوسرا بابو راجندر ناتھ کا جس میں غالباً چار یا پانچ لاکھ کے درمیان روپیہ آچکا ہے۔ تیسرا امارت شرعیہ پھلواری شریف کا فنڈ ہے، جس کے متعلق مفتی صاحب نے اعلان فرمایا ہے کہ ہندوستان کی دیسی ریاستیں اور حکومت پسند لوگ عام طور سے وائسرائے کو چندہ بھیج رہے ہیں نیشنلسٹ اور روشن خیال ہندوؤں کی تمام رقوم راجندر بابو کے نام جاری ہیں۔ مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان بیچاروں کو اپنے ہی پر اعتماد نہیں ہے یہ کسی کو کیا بھیجیں گے ورنہ ان کو چاہیئے تھا کہ یہ اپنا روپیہ راجندر بابو کو بھیجدیتے یا امارت شرعیہ کے نام روانہ کرتے۔

راجندر بابو پر اعتماد

جندر بابو پر ہر شخص کو پورا پورا اعتماد ہے۔ راجندر بابو وہ شخص ہے جسکو ہر کانگریسی بلکہ کانگریس کے مخالف بھی معتمد سمجھتے ہیں۔ صحیح بات تو یہی تھی کہ تمام ہندو مسلمان اپنا روپیہ انہی کے نام بھیجتے۔ لیکن بابو راجندر چونکہ

کانگریسی ہیں۔ اس لئے حکومت کے متعلقین کو تامل ہونا چاہئے حالانکہ تامل کی ضرورت نہ تھی ہم حکومت سے زیادہ راجندر بابو پر اعتماد کرتے ہیں۔ حکومت کی تقسیم پر اطمینان نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم سیلاب کے زمانہ میں دیکھ چکے ہیں کہ حکومت کا عملہ اس قسم کے معاملات میں بڑے استغنا سے کام لیتا ہے۔ مسٹر لیپرڈ دہلی کے ڈپٹی کمشنر اس زمانہ میں مارے مارے پھرتے تھے لیکن ان کے ماتحت لوگوں کی تقسیم پر اور ملازمین کے اخلاق پر اکثر گاؤں والوں کو اعتراض تھا تو خدا نخواستہ وائسرائے کی ذات پر کوئی بداعتمادی نہیں۔ لیکن اس کام کے لئے جو افسر مقرر کیا جائیگا۔ اس کے متعلق عام طور پر شکایات پیدا ہونگی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ تھی کہ بابو راجندر پر ہر ہندو مسلمان کو اعتماد کرنا چاہیئے تھا جسقدر ہمدردی سے راجندر بابو کے ورکرز مصیبت زدگان کی خدمت انجام دینگے۔ حکومت یا عمال حکومت نہیں دے سکتے۔

امارتِ شرعیہ

راجندر بابو پر پورا اعتماد رکھتے ہوئے پھر بھی امارت شرعیہ کے لئے اپیل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہمکو صوبہ بہار کی کانگریس پر یا راجندر بابو پر اعتماد نہیں ہے بلکہ مسلمان عام طور سے اس فنڈ میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہتے تھے۔ اور زکوٰۃ یا عشر صرف مسلمانوں ہی پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ وہ تمام روپیہ امارت شرعیہ پھلواری شریف کو بھیج دیا جائے۔ امارت کا نظام صوبہ بہار کے اکثر اضلاع میں قائم ہے۔ اور ایک باضابطہ اور شرعی نظام ہے۔ حضرت شاہ محی الدین صاحب امیر الشریعت یا مولانا عثمان غنی صاحب کے نام روپیہ روانہ کیا جاسکتا ہے۔

اور امیر الشریعت کی نگرانی میں حسن انتظام کے ساتھ خرچ کیا جا سکتا ہے۔
امارت شرعیہ کا ایک بیت المال بھی ہے۔ جس میں باقاعدہ زکوٰۃ اور عشر
جمع ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ اور حضرت امیر الشریعت صاحب قبلہ
اور حضرت نائب امیر الشریعت کے اعلانات کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ
تمام روپیہ پھلواری شریف روانہ کرتے اور زکوٰۃ کے روپیہ کی تصریح کر دیتے۔
تاکہ وہ روپیہ صحیح مصارف میں خرچ کیا جاتا۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں
کہ مسلمانوں کو اپنے ہی پر اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ اس بداعتمادی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ
جگہ جگہ سے خود تقسیم کرنے کو لوگ پہونچ رہے ہیں ہر جماعت نے
دو چار سو روپیہ دس بیس کمبل بغل میں دبائے اور بہار کا ٹکٹ لیکر پٹنہ
کا رُخ کیا۔ اگر واقعات کی تحقیقات یا رضا کارانہ خدمت انجام دینے کا شوق ہوتا
تو مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن اگر محض روپیہ تقسیم کرنے کی غرض سے جانا ہے تو
یہ جانا محض بے کار ہے بلکہ اپنی بداعتمادی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب آپ کا
نظام موجود ہے تو پھر آپ کو دوڑ دوڑ کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس
طوائف الملوکی کا ایک نقصان تو ظاہری ہے کہ بعض غیر مستحقین کی خدمت
ہوتی ہے۔ اور مستحقین محروم رہ جاتے ہیں۔ جہاں دُنیا بھر کے چور پہونچ گئے
ہوں وہاں دُنیا بھر کے نقاد کو آنے سے کون روک سکتا ہے۔ بعض مقامات
پر امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ مقامی غریب کون ہیں اور بیرونی فقیر کون
ہیں۔ پھر مصیبت زدہ رقبہ میں تو اکثر حضرات ایسے ہیں جو اپنی شرافت
کے باعث اپنی مصیبت کا اظہار بھی عیب خیال کرتے ہیں وہ زیادہ سے
زیادہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو قرض دیدیا جائے۔ اور یہ قرض ان سے بالاقساط
وصول کر لیا جائے۔ اس طوائف الملوکی سے متاثر ہو کر بعض مقامات پر چھوٹی

چھوٹی کمیٹیاں معززین شہر کی اس غرض کے لئے بنادی گئی ہیں کہ جو حضرات باہر سے تشریف لائیں وہ ان کی امداد اور مشورے سے کام کریں تاکہ وہ صحیح مستحقین سے تعارف کراسکیں، اور صحیح اہلِ ضرورت تک ان بیرونی حضرات کو پہنچا دینے کی خدمت انجام دے سکیں۔

معزز حاضرین! آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے کہ زکوٰۃ اور عشر کا روپیہ نہ تو وائسرائے کو دیا جاسکتا ہے، اور نہ بابو راجندر کو دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مصرف اور اس کی وکالت امارت شرعیہ ہی کر سکتی ہے۔ اور یہ تو موٹی سی بات ہے کہ بہار کے لوگوں کو اہل بہار ہی سمجھ سکتے ہیں، جو لوگ اس معاملہ میں محض اجنبی ہیں وہ وہاں جاکر بدون ان حضرات کی رہنمائی کے کیا کر سکتے ہیں۔ جب وہاں کے ورکرز کی رہنمائی میں کام کرنا ہے تو ان پر اعتماد کیجئے اور تمام روپیہ براہ راست ان کے نام روانہ کر دیجئے۔

براہ راست امارت شرعیہ

یہ براہ راست کا لفظ میں نے اس لئے بولا ہے کہ ہم کو بھی اپنی خبر نہیں کیونکہ خدا جانے ہم پر بھی اعتماد ہو یا نہ ہو، مارتے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے۔ مگر کہتے کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک صاحب مفتی صاحب قبلہ کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کوئی چالیس ہزار روپیہ کی جائداد خرید رہے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا صاحب مجھے تو معلوم نہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا تو میں نے یہ تو سُنا تھا کہ مفتی صاحب اپنا سکونتی مکان فروخت کر رہے ہیں۔ جب جیل کی مدت غالباً مفتی صاحب کی دس مہینے کی باقی تھی تو شاید گھر سے کوئی پریشانی کی خبر گئی تھی اسوقت مفتی صاحب کا

قصد تھا کہ اپنا مکان فروخت کر دیں، اور مکان کا روپیہ اہل وعیال پر خرچ کر دیں۔ کیونکہ مفتی صاحب قید کے زمانہ میں مدرسہ سے تو تنخواہ لیتے نہیں تھے۔ اس لئے خیال تھا کہ مکان کو فروخت کر کے قید کی مدت پوری کی جائے۔ یہ غالبًا دس، گیارہ مہینے کا واقعہ ہے اب میں نہیں کہہ سکتا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد مفتی صاحب کے پاس چالیس ہزار روپیہ کی جائداد خریدنے کے لئے روپیہ کہاں سے آگیا۔ اور جائداد بھی کونسی یہ سامنے والی جائداد جسمیں ہوٹل ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

تو بھائی صاحب آپ کا کیا اعتبار ہے۔ آپ خدا جانے ہم پر بھی اعتماد کریں یا نہ کریں اس لئے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ براہ راست امارت شرعیہ کو روپیہ بھیجدیجئے۔ لیکن پھر بھی بعض مخلصین نے دفتر کو روپیہ بھیجدیا ہے۔ چنانچہ پرسوں امارت کے نام پہلی قسط پانچسو روپے کی میں نے دفتر سے روانہ کر دی ہے۔ حاجی عبدالمغنی صاحب کے سو روپیہ اس سے علیحدہ ہیں۔ جو انھوں نے براہ راست روانہ کئے ہیں۔ اگر زیادہ رقم ہو تو براہ راست بھیج دیجئے۔ لیکن اگر کم ہو تو آپ جمعیتہ کے دفتر میں بھیج سکتے ہیں۔ جب معقول رقم ہو جائے گی تو ان کو دوبارہ بھیجدی جائے گی۔

کمیونل بحث سے بچو!

حضرات! ــ میں یہ امر عرض کر دوں کہ خدا کے لئے اس امداد میں فرقہ دارانہ بحث کو دخل نہ دیجئے۔ بعض لوگوں نے شکایت شروع کر دی ہے کہ ہندو صرف ہندوؤں کی امداد کرتے ہیں، مسلمانوں کو نہیں دیتے یا مسلمان صرف مسلمانوں کو دیتے ہیں، ہندوؤں کو نہیں دیتے یا گورنمنٹ کے بعض حکام

ہنسو ہیں وہ ہندو اہل منیبت کا خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کے بعنو مباحث نہایت تکلیف دہ ہیں۔

میں نے عرض کر دیا ہے کہ زکوٰۃ جو مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ اس کی رقم تو مجبوراً صرف مسلمانوں پر ہی خرچ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان سرمایہ سرمایہ داروں پر مسلمان مزدوروں ہی کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اسلام نے مزدور کو سرمایہ دار کے سرمایہ میں چالیسویں حصّہ کا شریک کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ درحقیقت غریب اور مزدور کا حصّہ ہے جو ہر سال چھٹا باندھ کر سرمایہ دار کو پورے حساب سے مسلمان فقیر کو ادا کرنی چاہیئے اسلئے اس روپے میں تو مذہبًا مزدور ہی حصّہ دار ہے۔ البتہ باقی روپیہ بلا امتیاز ہندو مسلم بلکہ جملہ مخلوق خدا پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

موت فرقہ دارانہ نہیں ہے

اہل بہار پر جب موت کا حملہ کمیونل حیثیت سے نہیں ہوا اور قدرت نے ہندو مسلم کی تقسیم نہیں کی تو تم بھی ہندو مسلم کی تقسیم نہ کر دبلکہ بلا امتیاز مخلوق خدا کی خدمت کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کبد رطبۃ فرمایا ہے۔ جب بہائم اور دیگر حیوانات کی خدمت بھی موجب اجر ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اُس کی خدمت کیوں نہ موجب ثواب ہو گی۔

آخری اپیل

دہلی کے مسلمانو! تم نے ہمیشہ نیک کاموں میں ہندوستان کے دوسرے شہروں سے سبقت حاصل کی ہے۔ تم نے ٹرکی، طرابلس۔

اور بلقان کے غرباء کی خدمت لی ہے۔ تم نے لاکھوں روپیہ خلافت فنڈ میں
دیا ہے۔ تمہاری سخاوت اور جود و عطا کے اثرات اب تک قصر خلافت میں موجود
مجھے وہ زمانہ یاد ہے۔ جب اسی جامع مسجد میں ہزاروں کپڑے لوگ اتار
کر دیدیا کرتے تھے۔ اور اسی شاہی دروازہ کی سیڑھیوں پر مولانا محمد علی مرحوم
اور امام صاحب جامع مسجد ان کپڑوں اور دیگر اشیاء کا نیلام کیا کرتے تھے۔
مجھ سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں کون سے موقعہ پر دہلی کے مسلمانوں نے روپیہ
دینے سے انکار کیا ہے۔ تم نے ہر نیک کام میں سبقت کی ہے۔ جب تمہاری سخاوت
سے ہندوستان کے باہر والے بھی محروم نہیں رہے تو یہ ہندوستان کا معاملہ
ہے۔ دہلی سے آج کل بہار کیا دور ہے۔ مختصراً سے بہار کا صوبہ شروع
ہو جاتا ہے۔ اپنے اپنے محلوں میں ذی اثر حضرات کوئی کمیٹی بنالیں یا کمیٹی
نہ بنائیں۔ کسی دن کھڑے ہو جائیں اور ہر شخص سے وصول کر کے جمعیۃ کے
دفتر میں بھیجدیں۔ اگر تم بسنتوں کا روپیہ ہی اس چندے میں دیدو تو بہت
کچھ ہو سکتا ہے۔

بسنتوں کے لئے طباق ہاتھ میں لیکر چندہ کرتے پھرتے ہو دو دو چار چار
پیسے جمع کر کے خاصی پر رونق بسنت منالیا کرتے ہو۔ امسال بسنتوں کو ملتوی
کر دو۔ بسنت تو ہر سال ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس قسم کے مصائب بار بار نہیں
آیا کرتے۔ ایسے جنرل اور عالمگیر مصائب جس میں اچھے بڑے کا امتیاز
نہ رہے بہت کم آتے ہیں۔

واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصہ

اس قسم کے ابتلاء و امتحانات کا وقوع ہر روز نہیں ہوا کرتا اور بسنت کا کیا
ہے بسنت تو ایک موسمی چیز ہے۔ اللہ خیر سے جیتے رہو گے تو اگلے سال پھر آجائیگی۔

دہلی کے محفوظ رہنے کا شکریہ

میرے معزز دوستو! ۔ اگر تم صرف اس نعمت کا شکریہ ادا کرو کہ خدا نے تم کو اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھا۔ اگر تم اس بلا کا صحیح تصور کرلو تو تم اپنا سارا مال دیکر بھی حضرت حق کے شکریہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے ۔ فرض کرو۔ اگر خدا نخواستہ وہ مصیبت یہاں نازل ہوجاتی تو آج تمہارا کیا حال ہوتا۔

بہر حال معاف فرمایئے میں نے آپ حضرات کا بہت وقت لے لیا اگرچہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اس بحث کے اور بھی چند گوشے ہیں۔ جو ابھی تک آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ مجھے اس کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ابھی یہ تقریر تشنہ ہے۔ لیکن پھر کسی موقع پر انشا اللہ عزیز تفصیل عرض کروں گا۔ اسوقت تو اپنے بھائیوں کو امداد کی ضرورت ہے اس میں خدا کے واسطے کوتاہی نہ کیجئے ۔

واللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العٰلمین

۹ رفروری ۱۹۳۲ء کو یہ تقریر جامع مسجد دہلی میں فرمائی۔

بھوک ہڑتال پر

شرعی نقطہ نظر سے

ایک ہمہ گیر تبصرہ

حضرات! آج میرا مقصد مچھلی والان کی مسجد میں وعظ کا تھا اور جامع مسجد میں کسی تقریر کا ارادہ نہ تھا۔ کل دوپہر تک بھی میں نے تمام لوگوں سے یہی ظاہر کیا کہ میں جمعہ کے بعد اپنی مسجد میں وعظ کہونگا۔ لیکن دوپہر کے وقت بعض دوستوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں خان عبید اللہ خاں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں حالانکہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے اس راہ میں جسقدر اقدام کیا جاسکتا تھا۔ وہ اس نے اپنی روایات کے مطابق کیا حضرت مفتی صاحب نے وائسرائے کو اور گورنر صوبہ سرحد کو تار دیئے۔ اور ممبران اسمبلی کی خدمت میں خطوط لکھے اور ان سب کو انسانیت کا واسطہ دے کر ایک نوجوان پر رحم کھانے کی اپیل کی لیکن پرستاران اقتدار اور پرستیج کے پجاریوں نے جو جواب دیا وہ ظاہر ہے۔ ان مایوسانہ بلکہ مغرورانہ اور متکبرانہ جواب کے بعد ہم بجز اس کے کیا کر سکتے تھے کہ دعا کریں اور مزید خیالات کے اظہار سے اجتناب کریں۔ بہرحال بعض دوستوں کے اصرار پر میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور یہ وعدہ کر لیا کہ کل جامع مسجد میں ایک مفصل

تقریر کروں گا۔ لیکن ڈھائی بجے تقریر شروع کرونگا۔ اس وقت تک آپ کو اگر کوئی جلسہ کرنا ہو تو کر لیجئے گا۔ جب آپ لوگ جلسے سے فارغ ہو جائیں گے۔ تو میں عرض کرونگا۔ چنانچہ میں اپنے وقت پر حاضر ہو گیا اور میں نے جناب صدر سے عرض کیا کہ آپ اپنی تجویز منظور کرا لیجئے۔ اور جب انہوں نے یہ تجویز منظور کرا لی۔ اور جلسہ ختم ہو گیا تو میں حسب وعدہ حاضر ہو گیا۔ یہ ممکن تھا کہ میں اب بھی حاضر نہ ہوتا لیکن میں نے دیکھا کہ آزاد نے ملت میں اعلان بھی میری تقریر کا کر دیا۔ اس اعلان کو پڑھکر میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے وعدہ کو پورا کروں۔

مطالبہ کی منظوری

معزز حاضرین!۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل تقریر کا اعلان کیا گیا اور آج صبح یہ خبر آ گئی کہ خان عبید اللہ خان کو سیالکوٹ منتقل کر دیا گیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور واقعی خان موصوف کے مطالبہ کا کوئی جز تسلیم کر لیا گیا اور انہوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی تو جایئے قصہ ختم ہو گیا۔ اب میرے لئے کیا موضوع ہے جس پر تقریر کی جائے ؎

سفینہ جبکہ کنارے پر آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر وہ خبریں جو ان کے ضعف و ناتوانی کے متعلق آ چکی ہیں صحیح ہوں تو اسوقت ان کو منتقل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ایک نیم بسمل کو ملتان کے مقتل کی بجائے سیالکوٹ کے مقتل میں بھیجدیا گیا۔ ایک قریب المرگ انسان کو آخری وقت میں سیالکوٹ بھیجنا خدا جانے کن مصالح پر مبنی ہے۔ مطالبہ بھی کس وقت پورا کیا گیا

ہے۔ جب مطالبہ کرنے والے میں چند سانس باقی رہ گئے ہیں

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

بہرحال اگرچہ کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی میں کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ کوئی صاحب مہربانی کر کے میری تقریر لکھتے جائیں، میں مرتب کر دونگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

خان عبداللہ خان کا تعارف

برادرانِ ملت! خان عبداللہ خان صوبہ سرحد کا ایک ہٹیلا اور ضدی نوجوان ہے۔ جب وہ کسی کام پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اُس کو کبھی چھوڑتا ہے۔ خواہ اسکو کتنی ہی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے، وہ عزم راسخ اور ہمت مردانہ کا مالک ہے۔ وہ دلیری و بہادری اور شجاعت کا مجسمہ، اور ایثار و قربانی کا زندہ مرقع ہے۔ خان موصوف خان عبدالغفار صاحب سرحدی گاندھی کا بھتیجا ہے۔ اس کا بچپنا ناز و نعم کی آغوشِ مسرت کا تربیت یافتہ ہے۔ اس نے ایک ایسے صوبہ میں نشو و نما پائی ہے۔ جو صوبہ نہ صرف اپنی بے مثل شجاعت اور تہور میں ضرب المثل ہے بلکہ اس صوبہ کی ضد اور ہٹ بھی مشہور ہے۔ عبداللہ خان ایک ایسا شہسوار ہے جو میدان جنگ سے مُنہ موڑنا جانتا ہی نہیں صوبہ سرحد میں سرخپوش تحریک کی اس نے ایک عرصہ تک قیادت کی ہے اور اس مقدس تحریک کو نہایت منظم طریقہ سے جاری رکھا ہے۔ صوبہ سرحد میں جب دار و گیر کا سلسلہ جاری ہوا اور بے پناہ مظالم کا اعلان کیا گیا۔ تب بھی عبداللہ خان اور اس کی جماعت نے انتہائی اولوالعزمی کا ثبوت

ہم پہنچایا اور سچ تو یہ ہے کہ صوبہ سرحد کے ان ہی بہادر نوجوانوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی ورنہ ہم نے تو مسلمانوں کے ذلیل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی خان عبیداللہ خان سُرخپوش تحریک میں کئی بار گرفتار ہو چکے ہیں۔ ملتان جیل میں اِن سے میری ملاقات ہوئی تھی وہ اکثر بہت خاموش رہتے تھے۔ اور بہت زیادہ مجبور کرنے پر صوبہ سرحد کے واقعات اور اپنی اسادت کے قصے سنایا کرتے تھے۔ جب ہری پور جیل کے واقعات اور صوبہ سرحد کے مظالم کی داستان وہ سُنایا کرتے تھے تو سُننے والوں کی آنکھیں قابو سے باہر ہو جاتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جیل میں ایک دفعہ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا کھانا بھی میں نے پکایا تھا۔ ملتان کی آب و ہوا، ان کو موافق نہ تھی وہ اکثر بیمار رہتے تھے، اور اسی بنا پر جیل والوں سے انکی اَن بَن رہا کرتی تھی، بڑی سعی اور کوششوں کے بعد ملتان سے ان کا تبادلہ سیالکوٹ میں کیا گیا تھا۔

ملتان جیل میں واپسی

مگر کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کو پھر ملتان جیل میں لوٹا دیا گیا ہے، اور ان کو اس بارگ میں رکھا گیا ہے جہاں دق کے مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔ یہ چیز ان کو پسند نہ آئی اور اسپر جیل والوں سے ان کا جھگڑا ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے بعض ذمہ دار آدمیوں نے ان کے ساتھ سخت کلامی بھی کی جسکی وجہ سے ان کی طبیعت پر بُرا اثر پڑا۔ اور اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ مجھ کو سیالکوٹ جیل میں منتقل کر دیا جائے۔ اور جن آفیسروں نے مجھسے سخت کلامی کی ہے ان کو سزا دی جائے ورنہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا اگر یہ دو مطالبہ میرے مان لئے جائیں تو میں کھانا کھاؤنگا اور غذا کا استعمال

شروع کر دونگا۔

ہنگر اسٹرائک

حضرات! جس طرح آپ لوگ جیل سے باہر اپنے مطالبات منوانے کیلئے جلسہ کرتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ تجاویز پاس کرتے ہیں۔ ڈپوٹیشن لیجاتے ہیں۔ ضرورت کے وقت سول نافرمانی کرتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں سے آپ کا مقصد یہ ہوتاہے کہ گورنمنٹ آپ کے مطالبات منظور کرلے۔ اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتاہے کہ آپ کی چیخ وپکار سے گورنمنٹ آپ کے مطالبات منظور کرلیتی ہے یا آپ سے سمجھوتہ کرلیتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے سر پر پرسٹیج کا بھوت سوار ہو جاتاہے اور اپنی قوت اور جبر واستبداد کے زور سے ایجی ٹیشن کو دبانے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ جیساکہ آپ نے سنہ ۱۹۲۲ء کی تحریک سول نافرمانی کے زوال کا تماشا دیکھا کہ گورنمنٹ نے اپنی نیم مارشل لاء حکومت کے زور سے سول نافرمانی کرنے والوں کو معطل کردیا۔ ایک طرف طاقت کا اظہار اور دوسری طرف تدابیر کا استعمال اتنی بڑی تحریک کو لے ڈوبا اور باوجود تین سال کی مسلسل اور پیہم بھاگ دوڑ کے جب بلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بجائے آگے بڑھنے کے میلوں پیچھے ہٹ گئے ہماری حالت اس بادبانی کشتی کی طرح ہوئی جو سورت بندر سے شبانہ روز چلنے کے بعد ساتویں دن سورت سے تو میل پیچھے نظر آتی تھی سنہ ۱۹۳۰ء میں یہ توقع تھی کہ شاید اس مرتبہ بیس سال آگے نکل جائیں گے۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں یہ محسوس ہوا کہ پورے پندرہ سال ہم پیچھے ہٹادے گئے۔ اس شکست کے اسباب خواہ ہماری باہمی بے اعتمادی ہو یا گورنمنٹ کی

سخت گیر پالیسی اور اس کی بہتر سی تدبیر ہو. بہر حال واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

میرے عزیزو! جس طرح باہر کا ایجی ٹیشن جلسہ اور جلوس ہیں۔ اسی طرح جیل کا ایجی ٹیشن بھوک ہڑتال ہے۔ اندرونی زندگی، بیرونی زندگی سے مختلف ہے۔ وہاں کی مجبوریاں یہاں کی مجبوریوں سے زائد ہیں۔ وہاں بات بات پر کھڑی ہتھکڑی اور بیڑی، اور ڈنڈا بیڑی اور ٹاٹ وردی کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب وہاں کوئی صورت کامیاب نہیں ہوتی تو مجبوراً اپنے مطالبات منوانے کے لئے سیاسی قیدی بھوک ہڑتال کر دیا کرتے ہیں، اور اس کا ایک حد تک اخلاقی اثر بھی اچھا ہوتا ہے۔ وہاں کے مطالبات اگرچہ محدود ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ جھگڑے نکل ہی آتے ہیں۔ مثلاً کبھی سبزی خراب آگئی کبھی دال خراب آگئی۔ کبھی برتنوں پر جھگڑا ہو گیا۔ کبھی کپڑوں پر قصہ نکل آیا۔ کبھی کھلنے اور بند ہونے کے واقعات پر قصہ ہو گیا۔ غرض جیل والوں سے قیدیوں کا کوئی نہ کوئی جھگڑا لگتا ہی رہتا ہے۔ اس کے فیصلے بھی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سزائیں بھی ملتی ہیں۔ لوگ ہنگر اسٹرائک بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ آٹھ آٹھ دس دس دن بھوک ہڑتال ہوتی ہے۔ اور آخر نرم گرم فیصلہ ہوتا ہے۔ تین دن تک میاں والی جیل میں بھوک ہڑتال کرنا مجھکو بھی یاد ہے غالباً مولانا عبدالحلیم صاحب نے بھی دہلی جیل میں چار دن تک بھوک ہڑتال کی تھی اور مفتی صاحب قبلہ نے جا کر فیصلہ کرایا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ تہذیب میں مطالبات کے منظور کرانے کا یہ نیا طریقہ ہے اور اگر گورنمنٹ کے پرسٹیج کا بھوت اس کو سخت نہ کر دے تو ایک کمزور قیدی کے لئے اس سے بہتر کوئی آلہ آج کل کی تہذیب میں نہیں ہے۔

کھانا ترک کردینا

بطور احتجاج کھانے کو ترک کردینے کی رسم اگرچہ پرانی ہے۔ ہم کو اپنے بچپنے کی بات یاد ہے اور غالباً آپ کو بھی یاد ہوگا ماں باپ کو متاثر کرنے کے لئے کتنی ہی مرتبہ کھانے سے انکار کیا ہے اور شام سے پہلے پہلے اماں جان کی خدا مغفرت کرے انہوں نے مطالبہ پورا کر دیا۔ بچپنے کے مطالبات ہی کیا ہوتے ہیں کبھی پیسہ نہ ملا تو روٹھ گئے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ چھوٹا سا لیمپ لینا چاہتا تھا اماں جان نے انکار کر دیا۔ میں نے شام کو کھانا کھانے سے انکار کر دیا یہ ضد بحث رات کو ۱۲ بجے تک جاری رہی۔ آخر رات کو بارہ بجے اماں جان نے وعدہ کیا کہ کل صبح کو تجھکو لیمپ منگادونگی۔ دادی اماں نے وعدہ کیا اگر والدہ نہ منگا کر دینگی تو میں تجھکو منگوا دونگی۔ آخر میں نے رات کو جب کھانا کھایا تو والدہ سوئیں۔ صبح مجکو یہ سُنکر حیرت ہوئی کہ جب تک میں نے کھانا نہیں کھالیا نہ تو والدہ نے کھانا کھایا اور نہ والد نے کھانا تناول فرمایا۔ حالانکہ والد صاحب مرحوم و مغفور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے۔ لیکن میرے کھانا نہ کھانے کا یہ اثر تھا کہ اُنھوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ خیر یہ تو ماں باپ کا معاملہ ہے۔ اس کا ذکر چھوڑ دیجئے۔ میاں بیوی کے معمولی قصوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عورتیں کئی کئی وقت کھانا نہیں کھاتیں اور اس ترک غذا کا یہ اثر ہوتا ہے کہ صنف نازک اپنے مطالبات تسلیم کرا لینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

بہر حال یہ رسم تو پرانی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اس کی نوعیت بالکل مختلف ہوگئی ہے اور اس ہتھیار کی دھار تیز کر دی گئی ہے۔ مہذب حکومتوں کو جھکانے کے لئے یہ ہتھیار ایک حد تک مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اور

آیندہ بھی اگر استعمار و استبداد کا بھوت ان حکومتوں کے سر پر سوار نہ ہو جائے۔ تو یہ طریقہ کار مفید ہوگا۔

ترکِ غذا کی حیثیت

معزز حاضرین! خان عبید اللہ خان کی سترہ روزہ ہنگر اسٹرائک نے ایک نیا سوال پیدا کر دیا ہے۔ بعض مفتیان دین جن کو فتویٰ دینے کا بہت شوق رہتا ہے۔ وہ اس قسم کے ایجی ٹیشن کو خود کشی اور حرام موت ثابت کرنیکی فکر کر رہے ہیں اکثر تو ان میں وہی ہیں جو سول نافرمانی کی تحریک میں جیل جانے والوں کو گنہگار اور قرآنی احکام کا مخالف بتایا کرتے تھے۔ اور قرآن شریف کی آیتہ لا تلقوا بایدیکم الی التهلکته سے استدلال فرما کر جیل کو تہلکہ کہتے تھے۔ اور قید میں جانے والوں کو تارک قرآن کا خطاب عطا فرماتے تھے جو مسلمان کانگریس میں شریک تھے ان کو ہندو راج کا حامی بتا کر اور قرآن کا مخالف کہہ کر قریب الکفر کہتے تھے۔ اور مجلس احرار کے قیدیوں کو گنہگار اور فاسق کہا کرتے تھے۔ لیکن بعض وہ خوش فہم حضرات بھی ہیں جو اس کو واقعی خودکشی سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر عبید اللہ خان کی موت واقع ہوئی تو حرام موت ہوگی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جتندر ناتھ کی موت کے موقعہ پر ہمارے خلاف دہلی میں بڑے بڑے فتوے شائع ہو چکے ہیں۔ ان فتوؤں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید جتندر ناتھ نے یہ فاقہ کشی میرے کہنے سے یا مفتی صاحب کے مشورے سے کی تھی حالانکہ قصور اتنا تھا کہ مفتی صاحب قبلہ نے اس کی موت پر مسلمانوں کو ہڑتال کا مشورہ دیا تھا اور میں نے اس جلسے میں تقریر کی تھی جو اس کی موت پر دہلی میں ہوا تھا اتنی بات پر بڑے بڑے

پوسٹر شائع کئے گئے تھے۔ اور علماء دین و مفتیان شرع متین کے فتووں سے دہلی کی دیواریں سیاہ کردی گئیں اور فتوے کا مبنیٰ بھی یہ قرار دیا گیا تھا کہ خود کشی کرنے والوں کی حمایت کیسی ہے۔ اور جو شخص حرام موت مرنے والے کی تحسین کرے اس کا کیا حکم ہے۔

پس یہ سوال قائم کیا گیا، اور اس کے بعد جو جواب دیا گیا وہ ایسا تھا کہ شاید امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ زندہ ہوتے تو ان مفتیوں کو داد دیتے۔ کاش اگر یہ حضرات مفتی صاحب قبلہ کا پوسٹر اور میری پوری تقریر پڑھ لیتے تو ان کو اس قسم کے مہمل سوال اور لایعنی جواب کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

جتندر ناتھ داس!

میرے معزز دوستو! تم میں سے اگر کسی کو میری وہ تقریر یاد ہو تو سوچیے میں نے جتندر ناتھ داس کی موت کے سلسلہ میں کہا تھا کہ خیر یہ تو ہندو ہے۔ تمہارا جو جی چاہے وہ کہہ لو رہا ہمارا معاملہ تو ہماری فکر نہ کرو ہم تو بُرا سُنتے سُنتے ہر قسم کی بُرائی سُننے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہمارے عزم راسخ کو تمہارے یہ پوسٹر متزلزل نہیں کر سکتے وہ ایک صاحب کا قصہ سُنا ہو گا اونٹ کے پیچھے ڈفلی بجانے لگے جب اس نے مڑ کر نہ دیکھا تو اُنہوں نے زور زور سے بجائی تو اونٹ نے ہنسکر کہا ارے بے وقوف میری پیٹھ پر ڈھولسے بج چکے ہیں میں ان سے متاثر نہیں ہوا تو بھلا اس ڈفلی کو کیا خاطر میں لاؤنگا۔ تو بھائیو۔ یہاں اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہوئے پڑے ہیں اگر دو چار پوسٹر بھی کوئی شائع کردے تو ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی بُرائی اور الزام باقی ہی نہیں رہا تو اب کوئی ہمارے خلاف

لکھے گا بھی کیا۔ ہاں تو میں نے جتندر کے جلسہ میں کہا تھا کہ یہ معاملہ ہندو کا ہے جو چاہو کہدو۔ لیکن اگر یہ ہی سلسلہ جاری رہا اور کل کو کوئی مسلمان گورنمنٹ کی تغافل شعاری کا شکار ہو گیا تو اسوقت ان حضرات کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائیگا۔ اگر جتندر حلال موت بھی مرتا تو کونسا جنت میں داخل ہو جاتا۔ لیکن اگر گورنمنٹ نے کسی کلمہ گو کو اسی طرح موت کے گھاٹ اُتار دیا تو اُس وقت لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ آج سوئے اتفاق سے یہی معاملہ درپیش ہے کہ ایک نوجوان مسلمان بستر مرگ پر ہے گورنمنٹ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اب دیکھنا ہے کہ اگر یہ نوجوان مرگیا تو کون کون سے بزرگ اسکو دوزخ میں بھیجنے کی گارنٹی لینے پر تیار ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! یہ خان عبید اللہ خان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل سوال ہے۔ آج کو عبید اللہ خان ہے کل کو کوئی عبداللہ خان ہے اگر ملک اسی طرح آگے بڑھتا رہا اور نوجوانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی رہی تو گورنمنٹ کو جو کچھ کرنا ہے وہ کرے گی۔ کیونکہ اسے اس ملک پر قبضہ رکھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم کو اسے آزاد کرانا ضروری ہے۔ اگر یہ سلسلہ اور کشمکش جاری رہی اور کوئی خود دار جیل میں جا کر نہ دبا اور اس نے فاقہ کشی شروع کر دی اور گورنمنٹ پر سٹیج کو لے بیٹھی اور کسی مسلمان کو جان سے مار دیا تو اُسوقت ہماری حیثیت کیا ہوگی۔ اس لئے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے دیکھو مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو ایک شخص گورنمنٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتا ہے۔ گورنمنٹ انکار کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے میرا مطالبہ پورا نہیں کروگے تو میں کھانا نہیں کھاؤنگا۔ گورنمنٹ اسکی بات جو قانوناً اور شرعاً اور اخلاقاً جائز ہے نہیں مانتی وہ کہتا ہے اگر میری بات مان لی جائے تو میں ابھی کھانا

کھا لیتا ہوں میرا کھانا مطالبہ کی منظوری پر موقوف ہے۔ گورنمنٹ اپنی ضد پر قائم رہتی ہے۔ وہ کھانا نہیں کھاتا، یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے۔ تم کہتے ہو اس نے خودکشی کی اور یہ حرام موت مرا۔ میں کہتا ہوں وہ خودکشی نہیں ہے۔ اس کا فعل حرام نہیں ہے۔

خودکشی کی حقیقت اور اسکی حرمت

میرے معزز دوستو!۔ اس میں شک نہیں کہ خودکشی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اور یہ اسلام کا دنیا پر احسان ہے کہ اس نے یہ بتایا کہ اپنی جان کی حفاظت بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح کسی دوسرے بے گناہ انسان کی جان بچانا فرض ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا کے عقلا نے یہ مسئلہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہی سیکھا ہے۔ جہاں اور ہزارہا باتیں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے لی گئی ہیں۔ وہاں اس مسئلہ میں بھی دنیا ہماری ہی مرہون منت ہے ورنہ آجتک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ اپنی جان بھی اس قابل ہے کہ اس کا تلف جرم قرار دیا جائے۔ خودکشی کے متعلق جہاں قرآن شریف کا تعلق ہے اس کی حرمت پر دو آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ایک وہی ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور دوسری لاتقتلوا انفسکم پہلی آیات کے متعلق خود ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان اتنا صاف ہے کہ اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اور ان بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آیت کا تعلق ترک جہاد اور ترک انفاق فی سبیل اللہ سے ہے۔ خود رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس حضرت حذیفہ حسن بصری مجاہد اور ضحاک اور براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا قول ہے کہ سب سے بڑھ کر تہلکہ تو

ارتکاب معاصی ہے۔ حضرت عبیدۃ السلمانی بھی یہی فرماتے ہیں۔ رہی دوسری آیت تو اگرچہ اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ وحدت اسلامی کی بنا پر ہر دوسرے مسلمان کے نفس کو اپنے نفس سے تعبیر کیا گیا ہو اور نہی کا مطلب یہ ہو کہ آپس میں قتال نہ کرو اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو لیکن خود حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو معنی منقول ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر حضرات نے اس آیت کا مفہوم خودکشی سمجھا اور سخت سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کر لیا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو ان دونوں نے آیت لا تقتلوا انفسکم سے استدلال کیا۔ حضور نے غالباً حضرت عمر کے واقعہ پر ضحک فرمایا اور عمرو بن العاص کے موقع پر سکوت فرمایا۔ بہر حال جہاں تک قرآن کا تعلق ہے خودکشی کی حرمت کیلئے ان آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے اور جہاں تک احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے ان میں خودکشی کی انواع کا تذکرہ ضرور ہے۔ لیکن ان میں فاقہ کشی کی موت کا ذکر نہیں ہے بلکہ زہر کا ذکر ہے یا کسی دہار والی چیز کا ذکر ہے، چھری کا ذکر ہے، اور ثابت بن ضحاک کی روایات میں من قتل نفسہ بشیئٍ کا ذکر ہے۔ آیت و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور معمولی سمجھ دار بھی سمجھ لیتا ہے کہ فاقہ کشی انواع مذکورہ میں سے کسی نوع میں داخل نہیں ہے۔ عبید اللہ خان اپنے کو چھری یا پستول سے قتل نہیں کر رہا ہے نہ کسی دہار دار چیز سے قتل کر رہا ہے بلکہ اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ جس کا انجام ممکن ہے کہ موت ہو جائے۔ اگرچہ اکل و شرب حکماء اور اطباء کے نزدیک ستہ ضروریہ میں سے ہیں۔ لیکن آج ہی حکیم جمیل الدین صاحب فرما رہے تھے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے

متعلق مشہور ہے کہ بارہ سال انہوں نے کچھ نہیں کھایا پھر کھانا کبھی عبید اللہ خان
نے یہ کہہ کر نہیں چھوڑا کہ میں مرنا چاہتا ہوں بلکہ وہ کہتا ہے اگر میری بات مان لی جائے
تو میں ابھی کھانا کھاتا ہوں۔ آپ ہی بتائے کیا اسکو خودکشی کہا جا سکتا ہے۔
کیا تمہیں ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا زہر پینے والے کا منشار
اور مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ میں مرجاؤں اور ہنگر اسٹرائک والے کا یہ مقصد نہیں
ہوتا کہ میں مرجاؤں بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میری بات رکھ لی جائے۔

خودکشی کے اقسام

میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم خودکشی کو عام کرنا چاہتے ہو۔
خواہ مرنے والے کا فعل ہو یا نہ ہو۔ میں تو کہتا ہوں جو اقسام احادیث میں مذکور ہیں
ان ہی میں خودکشی کو منحصر رکھو ورنہ اگر تم نے قیاس کیا تو اہل حدیث خفا ہو جائینگے
اور اگر تم کو ایسا ہی شوق ہے کہ مسلمانوں کی موت پر حرام موت کا فتویٰ لگاؤ تو زیادہ
سے زیادہ کنوئیں گر کر آگ میں جل کر پستول مار کر بندوق یا سنگین مار کر افیون
کھا کر مرنے والوں کی موت کو حرام موت کہدو لیکن تم کو ضد ہے تم ہر اس
شخص کی موت کو حرام موت کہنا چاہتے ہو۔ جو زندہ رہ سکتا ہو۔ اور کسی نہ کسی
طرح بچ سکتا ہو۔ لیکن زندہ رہنے کی کوشش نہ کرے۔ اور اپنے کو نہ بچائے
بلکہ مرجائے تو وہ حرام موت ہوگی۔ بہت اچھا اگر یہی مطلب ہے تو آپ
گنتے جائیے۔ اور جواب دیتے جائیے۔

۱۔ ایک مسلمان کو کوئی کافر بادشاہ سؤر کا گوشت کھانے یا شراب پینے پر
مجبور کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ یا تو ان اشیاء کا استعمال کرو۔ ورنہ میں تم کو قتل
کردونگا۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر میں ان چیزوں کا استعمال کرلوں تو میری

جان بچ جائے گی۔ لیکن وہ استعمال نہیں کرتا۔ اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ بتاؤ یہ حرام موت ہے یا حلال موت۔

۲۔ ایک محرم جس نے احرام باندھا ہے۔ اس کو شکار پر مجبور کیا جاتا ہے وہ شکار نہیں کرتا، اور قتل ہوجاتا ہے۔ بتاؤ یہ موت کیسی ہے۔

۳۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے قتل پر مجبور کیا جائے کہ اس مسلمان کو قتل کر، ورنہ قتل کر دیا جائیگا۔ یہ مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کرتا اور خود قتل ہوجاتا ہے۔ بتاؤ۔ حرام موت ہے یا حلال موت۔

۴۔ کافر ذی اختیار ایک مسلمان کو فرض نماز ادا کرنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز پڑھی تو جان سے مار ڈالونگا۔ لیکن یہ مسلمان قتل ہونا گوارا کرتا ہے اور نماز نہیں ترک کرتا۔ بتاؤ یہ مقتول خودکشی کا مرتکب ہے یا نہیں۔

۵۔ ایک ظالم کسی مسلمان کو حق جل مجدہٗ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی پر مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے۔ میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ مسلمان قتل کو اختیار کرتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہٗ کی شان اقدس میں گستاخی برداشت نہیں کرتا۔ بتاؤ اس مسلمان کی موت کا کیا حکم ہے۔

۶۔ ایک تنہا مسلمان ہزار کافروں پر یہ جانتے ہوئے حملہ کرتا ہے کہ میں شہید کر دیا جاؤنگا۔ لوگ اسے سمجھاتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کو تلف کرتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے۔ اگرچہ میری جان جائے گی۔ لیکن کفار پر مسلمانوں کی ہیبت تو بیٹھ جائے گی، اور مسلمانوں کی دھاگ تو قائم ہوجائے گی۔ اور کچھ نہ ہوگا مگر مسلمانوں میں جرأت اور بہادری تو پیدا ہوگی۔ میرے مرنے سے مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ نفع تو پہنچے گا اور کچھ نہ ہوگا تو میں مرتے مرتے بھی دشمنوں کو کچھ نہ کچھ نقصان تو پہونچا دونگا۔ یہ کہکر دشمن کی ایک ہزار فوج پر جا گرتا ہے اور قتل کر دیا۔

جاتا ہے۔ اب بتاؤ اس مرنے والے کا کیا حکم ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اس پر صادق ہے یا نہیں یہ مسلمان جنتی ہے یا دوزخی۔

۷۔ اچھا اخرم اسدی کو جانتے ہو جن کا نام محرز بن نضلہ ہے۔ اور حضرت ابوقتادہ کی طرح فارس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں اور جو ۶ھ میں غزوۂ ذی قرد میں کافروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ غزوۂ ذی قرد جس میں کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کرلے گئے تھے۔ اور سلمہ بن الاکوع ان چوروں کے تعاقب میں گئے تھے۔ اونٹوں کے لوٹ لے جانے والے کافروں کا سردار عبدالرحمن بن عیینہ تھا۔ حضرت ابوذر ان اونٹوں کو جن کی تعداد تقریباً ۲۰ ہوگی غابہ میں چرا رہے تھے کہ عبدالرحمن نے حملہ کیا اور اونٹنیاں لیکر بھاگ گیا۔ چنانچہ سلمہ بن الاکوع نے خبر پاتے ہی ان کا تعاقب کیا۔ میاں تم سلمہ کو بھی جانتے ہو یہ بھاگنے میں ایسے مشاق تھے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ انھوں نے عبدالرحمن بن عیینہ کو راستے میں جالیا سلمہ بن الاکوع کے پیچھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھیوں میں اخرم اسدی بھی تھے وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سب سے پہلے سلمہ بن الاکوع کے پاس جا پہونچے۔ اور کہا بتاؤ عبدالرحمن اور اسکے ساتھی کہاں ہیں۔ سلمہ نے اشارے سے بتایا کہ وہ جارہے ہیں۔ اخرم نے چاہا کہ جھپٹ کر حملہ کردیں مگر سلمہ بن الاکوع نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ یہ لوگ اب ہم سے بھاگ کر نہیں جاسکتے۔ حضور کو آجانے دو، اگر تم تنہا گئے تو یہ تم کو مار ڈالیں گے۔ لیکن اخرم نے کہا سلمہ مجھکو چھوڑ دے۔ میرے اور میری شہادت کے مابین حائل نہ ہو۔ سلمہ نے یہ سنکر ان کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ تنہا عبدالرحمن بن عیینہ کی جماعت پر جا پڑے اور عبدالرحمن بن عیینہ کے یا سعدہ بن حکم کے ہاتھ سے قتل ہوگئے۔

اَب مہربانی فرماکر یہ بتائیے کہ آپ کے نزدیک محرز بن نفلہ کا یہ فعل کیسا ہے اور اس صحابی رسول اللہ ملکہ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قتل حرام موت ہے یا حلال موت ہے یا شہادت ہے۔ کیونکہ انہوں نے باوجود اپنے قتل کے یقین واذعان کے یہ پیشقدمی کی تھی۔ جیساکہ ان کے خود الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ اچھا صاحب ایک اور واقعہ سُن لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کو ایک دفعہ کلب روم نے گرفتار کرلیا اور قید میں ان کو رکھا۔ ان کے سامنے لحم خنزیر اور شراب رکھی گئی چالیسؔ دن تک انہیں کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا اور صرف لحم خنزیر ہی پیش کیا گیا۔ لیکن انہوں نے توجہ بھی نہ کی چالیسؔ دن کے بعد کلب روم نے ان سے دریافت کیا کہ تمہاری شریعت میں تو یہ چیزیں مخمصہ کی حالت میں جائز ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں جائز ہیں۔ اس نے دریافت کیا پھر تم نے کیوں نہیں کھایا۔ انہوں نے جواب دیا میں کھانا چاہتا تو کھاسکتا تھا۔ لیکن میرے کھانے سے تجھکو خوشی ہوتی اور میں تجھکو جلانا چاہتا تھا اور تجھکو غیظ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ اب فرمایئے جناب کی اس صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا رائے ہے۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ کسی مسلمان کی موت کو جبکہ وہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سسک سسک کر جان دے رہا ہو حرام موت کہنا آسان نہیں ہے۔

ایک بات تو بتاؤ

خودکشی یا فاقہ کشی کے متعلق جو کچھ مجھے کہنا ہے بعد میں کہونگا ایک بات تو بتاؤ۔ خان عبید اللہ خان اگر فاقہ کرتے کرتے مرجائے تو وہ حرام موت مرگیا؟

لیکن جو حکومت اس کا معمولی مطالبہ منظور نہ کرے۔ اور اس کو مرنے پر مجبور کر دے اس کا کیا حکم ہے۔ اور خدا اور رسول کے نزدیک ایسی حکومت کس برتاؤ کی مستحق ہے۔ جتندر ناتھ یا خان عبید اللہ کے خلاف فتویٰ دینے والے حکومت کے متعلق بھی کوئی فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ ارے میاں مرنے والوں کے متعلق لب کشائی کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ زندوں کے متعلق رائے کا اظہار کرو تاکہ زندوں کو شاید توبہ نصیب ہو جائے مرنے والے پر تمہارا فتویٰ کیا اثر انداز ہوگا۔ پہلے زندوں کا تو فیصلہ کرو۔

خودکشی حرام ہے

برادرانِ ملت۔ جس طرح آپ کے نزدیک خودکشی حرام ہے۔ اسی طرح میرے نزدیک بھی خودکشی حرام ہے۔ بحث اس میں نہیں ہے کہ خودکشی حلال ہے یا حرام ہے۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ جیل میں فاقہ کشی کرتے کرتے مر جاؤ تو یہ خودکشی ہوگی یا نہیں اچھا صاحب میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ فاقہ کشی سے مرنا خودکشی ہے۔ اور خودکشی حرام ہے۔ لیکن کیا اسلام میں کچھ ایسے اصول بھی ہیں کہ جن کی رو سے کسی وقت حرام جائز ہو جائے اور حرام نہ رہے۔ مثلاً لحم خنزیر لحم میتہ حرام قطعی ہے تو کیا کسی وقت ان چیزوں کا کھانا جائز ہو سکتا ہے بتاؤ مخمصہ کی حالت میں اکل میتہ کا کیا حکم ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی تو بالاتفاق کفر ہے لیکن کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی مصلحت سے محمد بن مسلمہ کو اجازت دی گئی یا نہیں کیا آپ کے نزدیک کوئی مصلحت اس امر کی متقاضی نہیں کہ یہ خودکشی شہادت نہ ہو تو کم از کم گناہ اور اثم ہونے سے نکل جائے۔

مغائظت عدو اور نکایت دشمن

آپ کے فقہا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان سوئر کا گوشت کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا جائے۔ اور اس کو قتل کی دھمکی دی جائے تو اُسکو جائز ہے کہ جان بچانے کیلئے ان اشیاء کا استعمال کرے اگر استعمال نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو گنہگار ہوگا لیکن اگر اس کی نیت یہ ہو کہ لحم خنزیر نہ کھانے اور شراب کے نہ پینے سے دشمن جلے گا۔ اور دین کے اعدا مغائظت میں مبتلا ہونگے۔ اس نیت سے نہ کھایا اور موت کو ترجیح دی تو گنہگار نہ ہو گا۔

حضرت جصاص رازی احکام القرآن میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ایکہزار کافروں پر تنہا حملہ کردے اور اس کی نیت یہ ہو کہ میرے اس فعل سے دشمن کو کوئی تکلیف پہونچ جائے گی یا مسلمانوں کو کوئی نفع پہونچ جائیگا یا مسلمانوں میں کوئی جرأت پیدا ہوگی یا دشمنوں پر ہیبت قائم ہو جائے گی اس نیت سے حملہ کرنے والا اگر مر جائے گا تو اجر کا مستحق ہوگا۔ اس امر کی بھی تصریح موجود ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے نفع یا نکایت عدو یا مغائظت کفار کی نیت سے ایک مسلمان کا تنہا ہزار آدمیوں پر حملہ آور ہو کر جان دیدینا لا تلقوا بایدیکم اور لا تقتلوا انفسکم میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تلاف نفس موجب اجر ہے۔ اسی طرح حق جل مجدہ کی شان میں گستاخی سے رُکنے والا اور جان دیدینے والا بھی مستحق اجر ہے۔ یعنی کلمۃ الکفر کو زبان سے جاری نہ کرے بلکہ جان دیدے تو مستحق اجر ہے۔ اگرچہ اجراء کلمۃ الکفر مرخص تھا۔ بشرطیکہ قلب مطمئن ہوتا۔ لیکن بایں ہمہ کوئی مسلمان رُخصت پر عمل نہ کرے بلکہ عزیمت پر عمل کرے تو اس کو اجر ملے گا اور یہی حکم ہے اُن

تمام حقوق کا جو حضرت حق کی طرف سے بندے پر فرض ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز سے کسی ظالم کا روکنا۔ زبردستی روزہ افطار کرانا حرم یا حالت احرام میں شکار کرنے پر مجبور کرنا یا کسی مسلمان کو مسلمان کے قتل کرنے پر مجبور کرنا عزیزانِ ملت یہ تمام شکلیں شدہ ہیں کہ جن میں اگر انسان اپنی جان بچانا چاہے تو اپنی جان بچا سکتا ہے۔ لیکن نہیں بچاتا بلکہ جان دیدیتا ہے تو بعض صورتوں میں ماجور ہوتا ہے۔ اور بعض میں گنہگار نہیں ہوتا اور کلا یا ثمہ کے تحت میں داخل ہوتا ہے۔ ان تصریحات و توضیحات کے بعد بھی کیا آنکھ بند کر کے عبید اللہ خاں کو خودکشی کا مرتکب کہا جاسکتا ہے۔ میں مانتا ہوں اگر عبید اللہ خان کی موت کو حرام موت کہا گیا اور خودکشی کے فتوؤں کا زور باندھا گیا تو حکومت اور ریزہ چیناں حکومت خوش ہو جائیں گے۔ اور ممکن ہے کسی خوش قسمت کو شمس العلماء کا خطاب بھی ملجائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضامندی ہر چیز پر مقدم ہے۔ قیامت میں ایک مظلوم مسلمان کی جان کا معاملہ پیش ہونے والا ہے۔ اور صرف ایک ہی مسلمان نہیں اگر گورنمنٹ برطانیہ کی غفلت شعاریوں کا یہی حال رہا تو نہ معلوم کتنے فاقہ کش آزادی وطن کی دیوی پر بھینٹ چڑھنے والے ہیں۔ جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں!

میں عرض کرتا ہوں اور خدا کے فضل سے ببانگ دہل کہتا ہوں اگر عبید اللہ خان کی نیت مغائظت عدو ہے یا وہ یہ سمجھ کر جان دے رہا ہے کہ ہندوستان کے نوجوانوں میں عموماً اور صوبہ سرحد کے نوجوان مسلمانوں میں خصوصاً زندگی جرأت شجاعت اور بہادری پیدا ہو جائے گی۔ اور میرے مرجانے سے بہت سے مسلمانوں کو نفع پہونچ جائیگا تو کوئی سمجھ دار اور

ذی علم اس کو گنہگار نہیں کہہ سکتا یہ دوسری بات ہے کہ اس کو شہید نہ کہا جائے یا
استحقاق اجر کی نفی کی جائے۔ لیکن اس کو گنہگار یا خودکشی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا
میرا روئے سخن اہل علم سے ہے جہلا اور جاہل واعظوں سے میں بحث نہیں کرتا
جن کو عوام اپنی جہالت کے باعث عالم سمجھتے ہیں۔ عوام کے نزدیک تو علم کا معیار ہی
عجیب ہے۔ یہ تو ہر خوش گلو واعظ کو عالم اور مفتی سمجھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ
مسلمان اس روشنی کے زمانہ میں ایک انچ بھی نہ بڑھ سکے جب تک یہ جاہل واعظ
ان مسلمانوں پر مسلط ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان ایک قدم بھی
آگے نہیں بڑھا سکتے۔

مستحق اجر یا بے گناہ

میرا مطلب پھر سمجھ لیجئے تاکہ آپ کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور
آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں میں کیا کہتا ہوں کچھ سمجھتے ہو
اگر خان عبیداللہ خان کی یہ فاقہ کشی موت پر منتج ہوئی اور گورنمنٹ نے
اپنی ضد اور ہٹ سے ایک نوجوان مسلمان کی زندگی کو ختم کر دیا تو اسکو
خودکشی کا مجرم یا حرام موت کا مرتکب نہیں کہہ سکتے۔ مرنے والے کی نیت
اگر مغائظت عدو ہے تو لا دیا ثمہ کے تحت میں ہے۔ اور اگر مسلمانوں کا
نفع مقصود ہے تو مستحق اجر ہے۔ میرے الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔
کل اس کے ساتھ ہمدردی کی گئی یا مسلمانوں نے اسکے ماتم میں ہڑتال کی
اور تم نے فتوے شائع کرنے شروع کر دیئے۔ کیونکہ تم کو غلط فتوے شائع
کرنے کی بیماری ہے۔ تم اس امر کا انتظار کرتے رہتے ہو کہ کوئی چیز ہاتھ لگے
اور تم جھٹ پٹ کوئی فتوئی دہلی کی دیواروں پر لگا دو تو یہ فتوئی بازی سخت

تکلیف دِہ ہوگی۔

ہمدردی بہرحال ضروری ہے

اب میں ایک اور بات عرض کرتا ہوں فرض کیجئے۔ آپ کے نزدیک وہ گنہگار ہی ہوا اور اس کی موت حرام بھی ہو تب بھی اسکے ساتھ ہمدردی کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ اس کے لئے ہڑتال کرنے سے جناب کا دل کیوں دُکھتا ہے اس کے لیے دُعاء مغفرت کرنے سے آپکی جان کیوں نکلتی ہے۔ مان لیجئے وہ گنہگار ہی سہی لیکن زیادہ سے زیادہ خودکشی کرنے والا فاسق ہوگا تو کیا فاسق مستحق ہمدردی یا مستحق دعا نہیں ہے۔

جنرل نادر خاں کی موت

جب جنرل نادر خاں کی موت پر جامع مسجد میں مسلمانوں نے دُعا کرنے پر اعتراض کیا اور دعاء مغفرت پر متعرض ہوئے تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو خُدا تعالیٰ خوش رکھے اُنہوں نے اس واقعہ کو سُنکر فرمایا میں جلسہ میں نہیں تھا۔ ورنہ مسلمانوں سے کہتا بھائی جو کچھ تم کہتے ہو میں مانتا ہوں کہ جنرل نادر خان کیسا ہی گنہگار سہی لیکن دعاء مغفرت کا مستحق تو گنہگار ہی ہوتا ہے۔ ایک طرف جنرل نادر خاں کو گنہگار بھی کہتے ہو اور دوسری طرف اسکے حق میں دعا کرنے سے بھی انکار کرتے ہو۔ اگر وہ گنہگار تھا تو بہت زیادہ دعا کا مستحق ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اور اگر میرے دلائل اور شواہد کافی نہیں ہیں اور تمکو یہی شوق ہے اور عبدللہ خاں جیسے ایثار و قربانی کے پیکر کو تم خودکشی اور حرام موت کا الزام لگا کر گنہگار ہی بنانا چاہتے ہو تب بھی اسکی ہمدردی سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس کے مرنے پر عام ہڑتال کرنا جلسہ کرنا اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا یہ تو وہ چیز ہے جو ہر بڑے سے بڑے آدمی کے لئے بھی کی جا سکتی ہے چہ جائیکہ عبید اللہ خان جیسے جوان مرگ کے لئے۔

نوجوانوں کی قدر کرو!

صاحبو! میں تو کہا کرتا ہوں کہ ان نوجوانوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ ہم تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ اگر ان نوجوانوں کو صحیح راستہ پر لگا دیا جائے تو یہ قوم کے لئے بہت مفید ثابت ہونگے۔ بڈھے اور پخ پخ کو سوچتے رہتے ہیں۔ اور نوجوان منزلِ مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔ افسوس اس کا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو غلط راستہ پر لگایا جا رہا ہے۔ ہم جیسے کمزور اور بزدل بڈھے نوجوانوں کو بھی سرکار پرستی اور وطن فروشی کا سبق دے رہے ہیں۔ جو دوسروں کو زندہ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کو غیروں کے سہارے جینا سکھا رہے ہیں۔ خود تو ہم کو نہ غیرت ہے، اور نہ ہمت ہے نہ حیا ہے، نہ شرم ہے۔ لیکن نوجوانوں کی رگوں میں زندہ اور حیا دار خون ہے۔ ان کو تو فنا کرنے سے اجتناب کرو۔

کعب بن اشرف کا واقعہ

آپ کو یاد ہوگا میں نے ابھی کعب بن اشرف کا آپ کے سامنے ذکر کیا تھا یہ خبیث انتہائی بدزبان تھا۔ کفارِ مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ ابھارا کرتا تھا۔ باوجود اسکے کہ خود یہودی تھا۔ لیکن مسلمانوں کے حسد کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف قریش سے سنگھٹن کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن

ابوسفیان نے جب اس سے دریافت کیا کہ صاحب ہم تو اُمّی اور بے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ تم تو اہل کتاب بھی ہو اور تعلیم یافتہ بھی ہو بھلا یہ تو بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا یہ محمد بن عبد اللہ حق پر ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کعب بن اشرف بولے تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہم لوگ بیت اللہ کی خدمت کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ آپس میں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یہ شخص ہمارے باپ دادا کے دین کے خلاف لکچر دیتا پھرتا ہے۔ اور کہتا ہے صرف ایک معبود کو پوجو، باقی معبودوں کا کھنڈن کر دو۔ آپ بتائیے ہم دونوں میں کون حق پر ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا صاحب بات تو یہ ہے کہ تم سب سے زیادہ سیدھی راہ پر ہو "ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین اٰمنوا سبیلا ہ" اب سمجھ لیجیے کتمان حق کی اس سے بدتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اور حق پر ہیں۔ محض کفار قریش کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ابوسفیان سے کہہ دیا کہ تم ہی سیدھی راہ پر ہو۔

بہر حال اس خبیث کی ریشہ دوانیاں جب حد سے تجاوز ہو گئیں تو ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا من الکعب بن الاشرف بس حضور کے اتنا فرماتے ہی ایک نوجوان کا خون جوش میں آگیا۔ اس نوجوان کا نام محمد بن مسلمہ تھا اس نے فوراً کہا انا لک یا رسول اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کی اس ہمت کو ایک صحیح جذبہ خیال کیا اور یہ سوچا کہ مبادا کہیں یہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جو سیاسی نقطۂ نگاہ سے غلط ہو۔ حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو بلکہ اے محمد بن مسلمہ سعد بن معاذ سے پہلے مشورہ کر لو۔ پھر بھی اس نوجوان کے جذبۂ اسلامی کی یہ حالت تھی کہ تین دن تک نہ کچھ

کھایا اور نہ کچھ پیا گویا سچ مچ کی ہنگر اسٹرائک کر دی۔ جب حضور کو معلوم ہوا تو آپ نے دریافت کیا محمد بن مسلمہ تم نے کھانا پینا کیوں ترک کر دیا محمد بن مسلمہ نے عرض کیا کہ آپ سے ایک بات کہی ہے۔ اور ایک وعدہ کیا ہے۔ خدا جانے وہ وعدہ پورا ہوتا ہے یا نہیں، اور میں کعب بن اشرف کے قتل میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں یعنی اس فکر میں کھانا پینا ترک ہو گیا ہے حضور نے فرمایا تمہارا کام کوشش کا ہے۔

بہر حال اس نوجوان کی علو ہمتی قابل صد آفریں ہے کہ سب سے پہلے اسکی آواز نکلی اور تعمیل حکم کا شوق اس قدر دامنگیر ہوا کہ کھانا پینا بھی چھوڑا سعد بن معاذ سے مشورہ کرنیکے بعد اور بھی چند حضرات محمد بن مسلمہ کے شریک کار بنائے گئے اور سب سے مزے دار بات تو یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ حضور ہمکو کچھ کہنا بھی پڑے گا۔ ورنہ کعب بن اشرف ہمارا یقین نہ کریگا تو اس کے جواب میں حضور نے جو کچھ فرمایا وہ یہ تھا کہ تو لوا ھا بدا الکمر اب فرمائیے اب تو حرام بھی بعض مصالح کے اعتبار سے جائز ہو گیا؟ بعد میں جو کچھ ہوا اس کا یہ موقع نہیں ہے۔ پھر کبھی عرض کرونگا۔ نوجوانوں کی ہمت سے اگر کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو تو اٹھاؤ عقل بڈھوں کی لو اور ہمت نوجوانوں سے لو دونوں کو ملا کر کھچڑی پکا سکتے ہو تو پکا لو کھچڑی نہ بھی پکی تو کچھ دال دلیا ہی ہو رہے گا۔

ہجرت کا واقعہ

اچھا ایک اور نوجوان کا قصہ سنو، بیعت عقبۂ ثانیہ میں جب انصار ایک گھاٹی میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا تو عباس بن عبدالمطلب نے یا عباس بن عبادہ انصاری نے یا دونوں نے ایک مختصر تقریر کی اور اس میں بیعت کرنے والوں کو توجہ دلائی کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے۔

کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ عباس بن عبدالمطلب اگرچہ ابھی تک مسلمان بھی نہ ہوئے تھے، لیکن انہوں نے کہا مدینہ والو! تم ایک شخص کو اپنی بستی سے جہاں اسکے رشتہ دار اور قرابت دار موجود ہیں۔ اپنے شہر میں لیجا رہے ہو تو پہلے غور کر و کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کر سکو گے؟ عباس بن عبادہ نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دعوت دے رہے ہو، تم دنیا کی ہر سرخ و سیاہ قوموں سے لڑائی مول لے رہو۔ بیعت کرنے سے پہلے سوچ لو کس بات پر بیعت کر رہے ہو کیا تم تمام دنیا سے لڑائی مول لینے کو تیار ہو؟ اب ہی یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ ایک نوجوان نے کہا ہمنے تمام باتوں پر غور کر لیا ہے۔ جبتک مدینہ کا ایک ایک بچہ ان پر قربان نہ ہو جائے گا۔ انکی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس نوجوان کی اس ولولہ انگیز تقریر نے سبکو مطمئن کر دیا۔ اور لوگوں نے بیعت شروع کر دی۔

برادران ملت! میں عرض کرتا ہوں کہ قوم کے نوجوان ہی اُس قوم کی رُوح ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ آج میری تقریر کا موضوع صرف عبیداللہ خان کی ذات تھی اور وعظ کہنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن اتفاق دیکھیے کہ وعظ بھی ہو گیا اور وہ تو جب جائز ناجائز کا قصہ شروع ہوا اور وعظ شروع ہوا۔ آپ کہیں گے۔ اگر موضوع کے خلاف کوئی بات ہو تو تقریر ٹوڈی پائنٹ نہیں رہتی تو بھائی یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے۔ مولویوں کی تقریر تو ایسی ہی ہوا کرتی ہے بہرحال جب ٹوڈی پائنٹ نہیں تو لاؤ ایک حدیث اور بھی سُنا دوں۔ اگر مچھلی والوں کی مسجد میں وعظ کہنا تو وہاں وہ حدیث بیان کرتا لیکن آج یہاں وعظ ہو گیا تو لاؤ یہیں سُنا دوں۔

ابی کبشۃ الانماری سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن پر میں قسم کھاتا ہوں یعنی وہ تین باتیں میں قسم کھاکر بیان کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم ہوجاتا ہے۔ لیکن حضور فرماتے ہیں کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ سے چندہ طلب کیا جانے والا ہے۔ کیونکہ آپ چندہ سے بہت گھبراتے ہیں۔ میں آپکو اطمینان دلاتا ہوں کہ کوئی چندہ نہیں طلب کیا جائیگا۔ دوسری بات جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ تھی جس شخص پر ظلم کیا گیا اور اس نے ظلم پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بلند کردیتا ہے۔ صاحبو! مصیبت پر صبر ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جس کو عزم امور سے فرمایا ہے وہ سورۂ لقمان میں فرمایا ہے۔

واصبر علی ما اصابك ان ذلك من عزم الامور

بہرحال تیسری چیز یہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے سوال کا دروازہ کھولا تو اللہ تعالیٰ اسپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ یعنی اپنی حاجت کا تذکرہ کرکے سوال کرنا اور سوال کے لیئے دست دراز کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان پر فقر اور تنگی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ابھی بہت کچھ کہنا تھا لیکن اسوقت تو اس صحبت کو ملتوی کیجیے۔ اور زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ پھر کسی موقع پر عرض کرونگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ٥
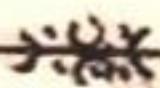
یہ تقریر جامع مسجد دہلی میں فرمائی

۲۰ر اپریل سنہ ۱۹۳۷ء

محمد علی ہمارا تھا

اور

ہم محمد علی کے ہیں!

حضرات! اخبار میں اعلان کیا گیا تھا کہ آج قرآن شریف ختم ہونے کے بعد مولانا محمد علی اور شہدا پشاور کیلئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اس وقت ۱۱ بج چکے ہیں اور مجھ سے بیشتر مولانا محمد علی صاحبؒ کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ قلت وقت کے اعتبار سے کافی ہے۔ اگرچہ مولانا محمد علی کی زندگی اور اُن کی خدمات کے اعتبار سے وہ بہت کم ہے۔ مولانا کی خدمات کا اگر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکیم اجمل خانصاحب مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد مسلم قوم کو یہ دوسرا دھکا لگا ہے۔ اور ایک ایسا ناقابل تلافی صدمہ پہونچا ہے جس کا اندمال مستقبل قریب میں ہوتا نہیں معلوم ہوتا۔

یہ امر مسلم ہے کہ کسی فرد کی موت۔ امت مسلمہ یا اسلام کی موت نہیں ہو سکتی۔

دنیا کے کام چلتے ہیں۔ مولانا محمد علی کی وفات کے بعد بھی چلتے رہیں گے۔ لیکن مولانا محمد علی کی جرأت و شجاعت و ذہانت و حق گوئی کے لئے مسلمانوں کو مدتوں رونا پڑے گا!

میرے عزیزو! میں اسوقت کسی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اس مختصر وقت میں صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

سر سید کی پالیسی

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ ہندوستان نے ۱۸۵۷ء میں آزادی کیلئے ایک لڑائی لڑی تھی۔ جس جنگ کا نام آخر میں غدر رکھا گیا۔ ہمارے نقطۂ نگاہ سے وہ جنگ آزادی کی جنگ تھی۔ اگرچہ وہ ناکام رہی اور اس کی ناکامی کا سہرا بھی اسوقت کے غداروں ہی کے سر رہا۔ اگر اس وقت بارود کی جگہ باجرے کی سیاہ رنگی ہوئی تھیلیاں نہ دی جاتیں تو آپ کے مشہور گولہ انداز کالیخاں کو شکست نہ ہوتی۔ لیکن آپ جانتے ہیں۔ اس ہی لال قلعہ کے سلیم گڑھ پر آپ کے وفادار نشانچی کو کس طرح دھوکہ دیا گیا۔ اور اُسکی تمناؤں کا کس بیدردی کے ساتھ خون کیا گیا۔

میرے عزیزو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اُس زمانے کے غدار ابتک نمکحرام مشہور ہیں۔ اور اُن کی نمک حرامی پر آجتک نمک حرام کی حویلی شہادت دے رہی ہے۔ اُس ناکام جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ خاندان مُغلیہ کی سلطنت کا آخری تاجدار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اگرچہ بہادر شاہ کی زندگی ہی میں گورنمنٹ مہرولی میں ایک کوٹھی بنارہی تھی اور بہادر شاہ کو اُس کوٹھی میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اگر گورنمنٹ کی یہ اسکیم پوری ہوجاتی تو ممکن تھا کہ وہ خاندان بھر

اور کچھ دنوں باقی رہتا، اور ہندوستان کے تاجداروں کی وہ اولاد جو دہلی میں کچھ دنوں نظر بندی کے دن گزار لیتی۔ لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ سلطنت کا سلسلہ جو تیمور گورگان سے شروع ہوا تھا۔ اس کا آخری صاحبقراں بہادر شاہ کو مقرر کیا جائے۔

بہرحال قدرت نے جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ اس میں کامیاب ہو گئی۔ اور ایسٹ انڈین کمپنی کے ہاتھوں گورگانیوں کا آخری تاجدار ہمیشہ کیلئے تخت و تاج سے محروم کر دیا گیا۔ ہندوستان جو صدیوں اسلامی حکومت کے زیر نگیں رہا تھا ایک ہی جھکولے میں یورپین اقوام کے ماتحت چلا گیا۔ اس انقلاب نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اسلامی اقتدار جو شرقاً و غرباً پھیلا ہوا تھا۔ ہندوستان کے نکلتے ہی دفعتاً سمٹ گیا۔ ہندوستان کی غلامی کے بعد اس زمانہ کے بعض اہل الرائے حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ مسلمانوں کو اب تمام جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور ۱۸۵۷ء میں جو نقصانات ہوئے ہیں۔ اُن کی تلافی کیلئے حکومت کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اُسوقت کے بزرگوں نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ مسلمان نہ صرف ہندوستان کی دوسری قوموں سے کوئی تعلق رکھیں بلکہ بیرونِ ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی کسی تعلق کا اظہار نہ کریں۔ چنانچہ اُس وقت تک مسلمانوں نے اس ہی پالیسی پر عمل کیا، اور اس ہی پالیسی کو سرسید کی پالیسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد پڑی تب بھی مسلمانوں کو یہی رائے دی گئی کہ مسلمان کانگریس سے بالکل علیحدہ رہیں۔ اور مسلمان من حیث القوم کانگریس سے علیحدہ رہے جو لوگ اُسوقت کانگریس میں شریک ہوتے تھے مسلمان اُن کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کے معدودے چند ہی افراد کانگریس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کی یہ پالیسی ۱۸۸۵ء سے لیکر ۱۹۰۶ء تک قائم رہی تب مسلمانوں نے دیکھا کہ سیاسی میدان سے بالکل علیحدہ رہنا ان کے لئے سخت

مضر اور مہلک ہوگا۔ تب سیاسی حقوق کے تحفظ کی غرض سے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس زمانہ میں اگرچہ سرسید کی پالیسی کہنہ ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی مسلمان مشترکہ پلیٹ فارم کیلئے آمادہ نہیں تھے بلکہ اپنے حقوق سیاسیہ کا تحفظ مسلم لیگ کے ذریعہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ لیگ اس وقت قائم کی گئی۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ ابھی تک قائم ہے۔ اگرچہ اُس کا قیام بھی برائے نام ہے۔

جنگ رُوم و رُوس

شاید آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ جس زمانہ میں ٹرکی اور روس کی جنگ ہوئی ہے جس کو مسلمان روم روس کی لڑائی کہتے تھے۔ کیونکہ اُس زمانے مسلمان ٹرکی سلطنت کو سلطان روم ہی کے نام سے جانتے تھے۔ اُس جنگ میں بھی ٹرکی کیلئے سخت خطرات کا سامنا تھا۔ اگر سلطان عبدالحمید خاں کا تدبر اور ادھم پاشا کی شجاعت نہ ہوتی تو ٹرکی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ اُس نازک وقت میں بھی مسلمانوں پر سرسید کی پالیسی کا اسقدر غلبہ تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اگرچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُس وقت بھی فتویٰ دیا تھا کہ سلطان روم کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اُس فتوے کی نقل ۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالباری صاحب مرحوم نے علمائے ہند کے فتوے میں شائع کی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس فتوے کو ضبط کر لیا۔

"بہر حال اتنی خوفناک جنگ سے مسلمانان ہندوستان صرف اسلئے غافل رہے کہ انہوں نے سیاست میں حصہ لینے کی قسم کھا لی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اب قیامت تک ہمکو ہندوستان میں انگریزوں ہی کے سہارے جینا ہے۔

جنگ طرابلس

خیال ہوتا تھا کہ شاید ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد یورپ کی طمع استعماریت و ہوائے استبداد ختم ہو جائے گی۔ لیکن ہندوستان پر قبضہ ہوتے ہی معاملہ بالکل برعکس ثابت ہوا۔ دوسرے ممالک کو غلام بنانے کیلئے ہندوستانیوں ہی کو استعمال کیا گیا۔ اور یہ غالباً اس لئے کیا گیا کہ ہندوستان سے بڑھ کر شاید سستی بھیڑیں کسی دوسری جگہ دستیاب نہ ہو سکتی ہونگی۔ ہندوستان کی غلامی کے بعد تجربے نے ہم کو یہ بتایا کہ ہم صرف غلام ہی نہیں بنائے گئے بلکہ ہم دُنیا کے لئے غلام ساز اور غلام گر مقرر کئے گئے ہیں۔ اس ستر سال کی مدت میں نہ معلوم دُنیا کے کتنے آزاد حصوں کو غلام بنانے کے لئے ہندوستان کا روپیہ اور ہندوستان کی اولاد کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ اور پھر ہم بدنصیب خوش ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

معزز حاضرین! اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو شاید جنگ طرابلس ہی وہ جنگ ہے جس کی خبر نے مسلمانوں میں اتنا احساس پیدا کر دیا کہ اُنہوں نے بیرونِ ہند کے مسلمانوں کی اعانت کو اپنا فرض خیال کیا۔ دہلی والوں کو شاید یاد ہوگا کہ فتح پوری میں ایک جلسہ اس ہی زمانہ میں حکیم امجد علی صاحب امام کشن گنج کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اگرچہ تقریریں اُس میں بہت نرم ہوئی تھیں۔ لیکن جلسہ اٹلی کے خلاف بیرونِ ہند کے مسلمانوں کی ہمدردی میں تھا۔ عوام میں بہت جوش تھا اور اسی جوش کا یہ نتیجہ تھا کہ جلسہ کے بعد ہی مسجد فتحپوری کے دروازہ کے باہر اٹلی کی ٹوپیوں میں آگ لگائی گئی۔ اگرچہ صدر جلسہ نے اس قسم کی کارروائیوں کو منع کر دیا تھا

لیکن پھر بھی بعض جوشیلے نوجوانوں نے جلسہ ختم ہوتے ہی بہت سی اٹلی کی ٹوپیاں جمع کر لیں اور سڑک پر رکھ کر اُن کو پھونک ڈالا گیا۔ یہ واقعہ غالباً بائیس[٢٢] سال کا ہوگا۔ گویا اب سے بائیس[٢٢] سال پہلے مسلمانوں کی سیاسیات سے اسقدر بیگانگی تھی کہ وہ گورنمنٹ کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی ہلکی سی آواز بلند کرنے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ مسلمانوں کی ملکی اور مذہبی فلاح و بہبود کا دارومدار صرف اس پر تھا کہ صاحب کو خوش رکھا جائے۔ اور صاحب کو خوش رکھنے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج کل مسلمان تمام قوموں سے نہ صرف پیچھے ہیں۔ بلکہ ہر قسم کی عملی جدوجہد سے بالکل ناآشنا ہو چکے ہیں۔ اور باوجود اس قدر عظیم نقصان برداشت کرنے کے بھی رونا اس کا ہے کہ صاحب خوش نہیں ہیں۔ اگرچہ طرابلس کی جنگ کے سلسلے میں بیداری پیدا ہو چکی تھی اور یورپ کی استعمار پسندی کو دیکھ کر مسلمان ہوشیار ہو چلے تھے۔ لیکن انہیں ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو اس نازک دور میں مسلمانوں کی سرپرستی کرتا۔ عام طور سے اکابر قوم میں پالیسی کے تبدیل کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ اتنی بڑی ذمہ داری کون شخص اپنے سر لے۔

پھر مسلم قوم کی طرف سے یہ اطمینان بھی نہ تھا کہ وہ پالیسی تبدیل کرنے پر تیار بھی ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ مسلمان سرسید کی پالیسی کے اسقدر خوگر ہو چکے تھے کہ اُس پالیسی سے اُن کا ہٹانا کوئی آسان کام نہ تھا

جنگ بلقان

ابھی طرابلس کے زخم کا اندمال نہ ہوا تھا کہ شاطرانِ یورپ نے بلقانی ریاستوں کو ٹرکی کے پیچھے لگا دیا۔ بلقانی جنگ کے دوران میں گورنمنٹ برطانیہ

کی بعض ذمہ دار ہستیوں نے ایسی رکیک حرکتیں کیں کہ مسلمانوں کے عام قلوب مجروح ہو گئے۔ مسٹر اسکیوتھ جو اُس وقت وزیر اعظم تھے۔ اُنہوں نے ایسی بیہودگیوں کا اظہار کیا کہ جس سے مسلمان صاف طور پہ سمجھ گئے کہ اسلام کی سب سے بڑی دشمن یورپ میں حکومت برطانیہ ہی ہے۔ اس جنگ میں برطانیہ کی غیر ذمہ دار روش نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے پوزیشن پر غور کریں اور وہ پالیسی جس پر وہ پچاس سال سے قائم تھے اُس پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ اور اُن کو یقین ہو گیا کہ اگر ہم اُس ہی کہنہ اور قدیم وفاداری پر قائم رہے تو اُس کا نتیجہ نہ صرف یہ ہو گا کہ براعظم یورپ سے اسلامی اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ بلکہ ہندوستان میں بھی ہماری کوئی قیمت باقی نہ رہے گی۔ ہم صرف اس کام کے رہ جائیں گے کہ نازک سے نازک وقت پر گورنمنٹ کی خدمات انجام دیں اور جب وقت نکل جائے تو گورنمنٹ ہم کو کورا جواب دیدے۔ ہم اپنے خلاف ہندوستان کی دوسری قوموں کو اپنا دشمن بنائیں اور آئندہ کے لیئے اپنی نسلوں کو خطرات میں مبتلا کریں یہ تمام مصائب صرف اس بنا پر برداشت کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ ہندوستان میں مضبوط ہوتی چلی جائے۔ اور اس کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار کا دُنیا سے خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ تمام وہ خیالات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو دیرینہ پالیسی کے تبدیل کرنے پر پُر زور دعوتِ عمل سے آمادہ کر چکے تھے۔ مسلمان صرف ایسے شخص کے منتظر تھے جو دلیری اور جرأت کے ساتھ اُن کے سامنے آجائے اور مسلمان اپنی پالیسی کے تبدیل کرنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیں۔

مردے از غیب بیروں آید و کارے بکند

میرے معزز دوستو! ٹھیک اُس وقت جبکہ مسلمانانِ ہندوستان

اپنی پچاس سالہ پالیسی کے تبدیل کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اور علامہ شبلی مرحوم کی مساعی بار آور ہونے والی تھیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک ایسے مسلمان کو توفیق عطا فرمائی جس کی تمام عمر سرسید کی ہی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے گزری تھی۔ وہ مسلمان اپنی خداداد شجاعت اور تہور کی بنا پر اُس دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑا جس میں اُس کے معاصر کودنے کو تیار نہ تھے۔ اُس نے لاکھوں قلوب کی ترجمانی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میرا تو اب صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ جب تک ہندوستان کو آزاد نہ کرایا جائے گا۔ دُنیا کے مسلمان محفوظ نہیں ہو سکیں گے جو بات لاکھوں انسانوں کے سینے میں تھی۔ لیکن ڈر کے مارے زبان سے نکلتی تھی۔ اُس نے نڈر ہو کر پلیٹ فارم پر بھی ممبر پر بھی جیل میں بھی۔ نظر بندی کی حالت میں بھی۔ مجسٹریٹ کے سامنے مقدمے کے دوران میں بھی۔ کامریڈ میں بھی۔ ہمدرد میں بھی۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں کہی۔ ہندوستان کی آزادی اور سوراج جس کے تصور سے مسلمان گھبراتے تھے۔ اُس نے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع نہ صرف خود کہی بلکہ دوسروں سے کہوائی۔ ہندو مسلم اتحاد جسے مسلمان ناممکن سمجھتے تھے۔ اُس نے اس ناممکن کو ممکن بنا کر دکھادیا وہ کانگریس جس میں مسلمان پچاس سال سے شریک نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے اُس کانگریس کی نہ صرف صدارت کی بلکہ کلکتہ کانگریس میں مسلمانوں کو اس کثرت سے شریک کیا کہ اُن کی تعداد ہندوؤں سے بڑھادی۔

حضرات! مسلمانوں میں جو سیاسی چہل پہل آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ مولانا محمد علی کی انتھک مساعی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کہاں مسلمان اور کہاں سیاسی مباحث؟ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ میں مولانا محمد علی کی زندگی پر مفصل تبصرہ نہیں کرونگا۔ اُس کی بیشمار خدمات میں سے صرف ایک خدمت کا ذکر کرونگا۔

یہی وہ بہت بڑی خدمت ہے جس کو مسلم قوم ہمیشہ یاد کرے گی۔ وہ ایک حریت کی روح تھی۔ وہ ایک آزادی کی آواز تھی۔ جس نے سات کروڑ مسلمانوں کو ایک ایسے راستہ پر لگا دیا جس کو وہ پچاس سال سے بھولے ہوئے تھے۔ اگر قوموں کا انقلاب کوئی خدمت ہے؟ اگر غلامی سے نفرت اور آزادی سے محبت کوئی خدمت ہو سکتی ہے؟ اگر صداقت اور حق گوئی کی پاداش میں مصائب و تکالیف کا صابرانہ مقابلہ کوئی کارنامہ ہو سکتا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رئیس الاحرار اپنے کارناموں اور اپنی خدمات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں یگانہ تھا۔ خدا اس کی رُوح کو اپنی رحمت میں جگہ دے۔ وہ مسلمانوں کے قلوب میں ایک ایسی لگن لگا گیا ہے کہ آنے والی نسلیں اُس کی اتباع پر فخر کریں گی۔ جس دن مسلمان آزاد ہندوستان کی آب و ہوا میں سانس لیں گے۔ اُس دن مولٰنا محمد علی کی رُوح ملاءِ اعلیٰ کی جماعت میں فخر کرتی ہوگی۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میرے عزیزو! جس طرح ہندوستان کی غلامی نے دُنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اسی طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ جس دن ہندوستان آزاد ہو گا۔ اُس دن بھی دُنیا کا نقشہ بدل جائیگا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس زمانے کے نقشے نویس کرۂ ارضی کی تقسیم کس طرح کریں گے۔

یاد رکھو! آزاد ہندوستان کی پہلی صبح اسلامی ترقی کا پہلا دن ہو گا۔ تم اسلام کا مرثیہ پڑھنے میں مشغول ہو لیکن مجھے نظر آ رہا ہے کہ اسلام لچک کر پھر اُبھرنے والا ہے۔ اگر تم کو رئیس الاحرار سے محبت ہے۔ اگر تم واقعی اُس کی رُوح کو پیار کرنے کے متمنی ہو تو اپنی تمام قوت ہندوستان کے آزاد کرانے پر خرچ کر دو۔ اور پھر دیکھو کہ اسلامی گلشن میں کس طرح از سرِ نو بہار آتی ہے +

سفرِ حج کا ایک واقعہ

اگرچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت کسی مزید تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن میں غلطی کرونگا۔ اگر مرحوم کے سیاسی جذبہ کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی جذبات کا کم از کم ایک واقعہ کا ذکر نہ کروں۔ جب مولانا مرحوم مؤتمر اسلامی کی شرکت کے لئے حجاز جا رہے تھے۔ اور کامران سے جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ سب لوگ احرام باندھ چکے تھے۔ چند گھنٹے پہلے حجاز کی بعض پہاڑیاں نظر آنی شروع ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ مولانا محمد علی پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اپنے رفقاء میں سے ایک ایک کے گلے لگ کر روتے تھے۔ اور بعض نعتیہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ مجھے اس وقت وہ اشعار یاد نہیں۔ لیکن رئیس الاحرار ارض حجاز کو دیکھ کر اس قدر بیاختہ رو رہے تھے کہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر کوئی شخص اپنے دل اور اپنی آنکھوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔

رقتِ قلب

جیل سے آنے کے بعد اُن کے قلب کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بسا اوقات اپنی تقریر کے دوران میں رونے پڑتے تھے۔ کوکناڈا میں میں نے ان سے مزاحاً اُن کی تقریر کے بعد کہا تھا کہ مولانا ہم لوگوں کے پاس صرف ایک رونا رُلانا رہ گیا تھا وہ بھی لیڈروں نے مولویوں سے اُڑا لیا۔ مذہبی تقریریں تو آپ لوگ کرنے ہی لگے تھے اب تقریر میں رونا بھی شروع کر دیا۔ مولانا نے اسی وقت ہنس کر فرمایا۔ رونا اور ہنسنا تو ہر انسان کو آتا ہے۔ میں نے مولویوں کا رونا نہیں اُڑایا ہے۔ ہاں آپ حضرات کو تو ابھی اور بہت سے کمال یاد ہیں۔ جن کی ہوا بھی بچارے لیڈروں کو

نہیں لگی ہے۔

بہرحال مرنے والے میں بہت سی خوبیاں تھیں جن کا تذکرہ اگر شروع کر دیا گیا تو سحری کے وقت تک بھی اُن کا تمام ہونا مشکل ہے۔

بعض مسائل میں اختلاف

حضرات! آپ مجھے معاف فرمائیں اگر میں اس ناگوار حقیقت کے متعلق بھی چند کلمات کہدوں جو آخر وقت میں مولانا محمد علی صاحب اور اُن کے دیرینہ رفقاء کے مابین اختلافی صورت میں رونما ہوئی۔ اگرچہ اس وقت اختلاف کا تذکرہ زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہماری ہی جماعت کے ایک معزز رکن مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک خوابیدہ فتنے کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مولانا عبدالماجد صاحب کے اس مضمون سے جو انہوں نے اپنے اخبار "سچ" مورخہ ۲۳ر جنوری میں شائع کیا ہے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو، اور ہمارے بعض مخالفین اُس سے غلط فائدہ نہ اُٹھائیں۔ اس لئے میں چند کلمات مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے اُس مضمون کی بابت عرض کرنا چاہتا ہوں جو اُنہوں نے ۲۳ر جنوری کے پرچہ میں شائع کیا ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔ کہ مولانا محمد علی ایک ایسی تحریک کے علمبردار تھے۔ جس کا اثر مسلمانوں کی پچاس سالہ پالیسی پر پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے کاسہ لیسوں کی ایک بہت بڑی جماعت اُن کی مخالفت پر آمادہ تھی۔ اگر علمائے کرام کی مقدس جماعت مولانا محمد علی کے ہاتھوں کو مضبوط نہ کرتی تو یقیناً اُن کو بہت زیادہ دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا علماء کا وہ مقدس گروہ جو ایک عرصہ سے سرسید کی پالیسی کو تبدیل کرنے کا خواہشمند تھا۔ لیکن غیر منظم ہونے کی وجہ

سے اُن میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سرکار پرستوں کا تنہا مقابلہ کرتا۔ اس گروہ نے فوراً منظم ہوکر مولانا محمد علی کی نظر بندی کے زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس کی اور مسلمانوں کی تبدیل شدہ پالیسی کی پوری طرح حمایت شروع کر دی علماء کی بے پناہ طاقت نے مولانا محمد علی صاحب کو اتنا مضبوط کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اُن کی پالیسی نے ایک مذہبی صورت اختیار کر لی۔ جس کا مقابلہ سرکار پرستوں کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا مرحوم کی تقریریں اور تحریریں عام طور سے مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ مولانا محمد علی نے اپنی اس مذہبیت سے تعلیم یافتہ طبقے کو علماء سے بہت قریب کر دیا تھا۔ اور وہ اُس خلیج کو تنگ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چلے تھے۔ جو ایک عرصہ سے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

سرکار پرستوں کی طرف سے مولانا محمد علی کی سخت مخالفت کی گئی یہاں تک کہ پولیس کی طاقت سے مولانا مرحوم کو اُس کالج سے نکالا گیا جس کی تعمیر میں مولانا کی مساعی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ مولانا اپنی رائے میں اس قدر پختہ اور مضبوط تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک ان تمام طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی اُس فرسودہ اور غلامانہ ذہنیت کو تبدیل کر کے چھوڑا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ غالباً وہ اختلاف ہے۔ جو مولانا اور اُن کے بعض قدیمی رفقاء کے مابین آخر عمر میں رونما ہوا تھا۔ اور جس کی ابتدا جمعیۃ علماء کی صدارت کے قضیے سے ہوئی تھی۔ میں صاف

طور پر عرض کروں کہ اس اختلاف کا بہت زیادہ تعلق مولانا کی ذات سے نہ تھا۔ بلکہ یہ محض چند افراد کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔ جو مولانا محمد علی کی آڑ میں جمعیۃ علماء کے کارکنوں سے ذاتی انتقام لینا چاہتے تھے۔

حضرات جو شخص پوری جرأت کے ساتھ بلا خوف لومۃ لائم کام کرے گا۔ اس سے لوگوں کا اختلاف کرنا لازمی ہے۔ اور میں تو عرض کروں گا کہ زندگی میں کون ایسا ہے۔ جس کی مخالفت نہیں کی جاتی۔ آپ آج ایک ایسا لیڈر یا مسلمانوں میں کام کرنے والا بتا دیجئے جس سے اختلاف نہ کیا جاتا ہو۔ اور یہ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں اس قسم کے اختلافات ہوا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ امر مسلّم ہے کہ زندگی میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف لکھا بھی جاتا ہے۔ کہا بھی جاتا ہے۔ مباحثے اور مناظرے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ دستور بھی ہے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی شخص اپنے مخالف کو برا کہتا ہے یا اس سے انتقام لینے کی کوشش کرتا ہے تو دنیا اُسے ذلیل اور کمینہ کہتی ہے۔ مرنے کے بعد نہ صرف ایک دوسرے کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ عام طور پر کمزوریوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اور صرف محاسن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ برا کہنے والے بھی تعریف کیا کرتے ہیں۔ دنیا کی اسی مردہ پسندی کو دیکھتے ہوئے دہلی کے ایک مشہور شاعر نے کہا ہے

ہزار شکر کہ دنیا نے قدر دانی کی
ہزار شکر کہ مردہ میرا پسند ہوا

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مولانا محمد علی جب تک زندہ تھے اُن کی مخالفت کی جاتی تھی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو مخالفت کی جاتی۔ اب اُن کا انتقال ہو گیا تو اُن کی اس خلاف توقع موت نے ہر شریف مخالف کی مخالفت کو ختم کر دیا۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ میرے محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو کونسی ضرورت داعی

ہوتی ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے کسی مخالف اخبار یا کسی مخالف فرد سے یہ فرمائیں کہ تم نے مولانا مرحوم کی زندگی میں جو کچھ لکھا تھا یا کہا تھا وہ واپس لو۔ اگر اختلافات کا مبنی ذاتی عداوت یا شخصی حسد ہو تو یقیناً مذموم ہے۔ لیکن اختلاف کا مبنی اگر خلوص اور نیک نیتی ہو تو وہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ خدا جانے مولانا عبدالماجد صاحب کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ معمولی سے اختلاف کی بنا پر جو محض طریقہ کار کا اختلاف تھا۔ مولانا محمد علی کی تعزیت کو خلوص سے خالی قرار دیں۔

میرا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ مولانا محمد علی کی پالیسی کا جہاں تک تعلق ہے۔ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی البتہ کچھ عرصہ کے لیے طریقہ کار مختلف ہو گیا تھا۔ اگر اتفاق سے مولانا علالت کی وجہ سے یورپ نہ چلے گئے ہوتے اور لکھنؤ کنونشن کے موقع پر تشریف رکھتے ہوتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ وہ یورپ میں زیر علاج رہے اور یہاں بعض خود غرض لوگوں نے فضا کو اتنا خراب کر دیا کہ مجبوراً اُنہوں نے عارضی طور پر اپنا طریقہ کار بدل دیا۔ اُن کی زندگی میں جب کبھی کچھ کہا گیا یا لکھا گیا تو اُسی طریقہ کار پر اعتراض کیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مخالفتوں کے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور نہیں کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو دوبارہ غلامانہ ذہنیت کی طرف لیجانا چاہتے ہیں یا وہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے موید ہیں۔ اُن کے جذبۂ آزادی کی صداقت و حفاظت کیلیے خود اُن کے الہامی الفاظ کافی ہیں۔ جو اُنہوں نے کہا تھا وہ کر دکھایا مرنے والے نے اپنی جان جان آفریں کو سونپ دی۔ لیکن غلام ملک میں زندہ واپس آنا پسند نہیں کیا۔

مجھے افسوس ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے پرانی باتوں کو دُہرا کر کوئی اچھی مثال نہیں پیش کی۔ اگر پہلی باتوں کو دُہرانے کا شوق تھا تو کاش مولانا بجائے الجمعیۃ کی ورق گردانی کے اپنے اخبار سچ کا فائل پڑھ لیتے تو اُن کو خود ہی یاد آجاتا کہ محفل کی تبدیلی سے وہ

بھی اُس رنج و تعلق میں ہمارے شریک رہ چکے ہیں جو سچے اور مخلص دوستوں کا ہمیشہ شعار رہا ہے۔ اگر آج جمعیتہ علماء ہند کے آگے دو راستوں میں سے ایک راستہ کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے تو اُس اخبار کو جو صداقت اور سچ کا مدعی ہے اپنی تحریروں پر نظرِ ثانی کی بھی ضرورت ہے۔

میں مولانا کی خدمت میں نہایت مودبانہ مگر جرأت کے ساتھ عرض کروں گا کہ بے شک طریقہ کار میں مولانا محمد علی صاحب سے اس آخر عمر میں اختلاف ہوا۔ اگر وہ یورپ سے واپس آکر بھی اپنے طریقہ کار کو نہ بدلتے تو یقیناً اُن سے اختلاف جاری رہتا۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے محمد علی ہمارے تھے اور ہم محمد علی کے ہیں۔ جو لوگ آج محمد علی کی موت سے غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ میں صاف طور پر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ رئیس الاحرار کی روح اُن سے اسی طرح بیزار ہے جس طرح وہ خود زندگی میں اُن سے بیزار تھا۔

حضرات! رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور رات کا پچھلا حصہ شروع ہو چکا ہے۔ ہم یہاں اسلئے جمع نہیں ہوئے ہیں کہ اپنی تعزیت کے خلوص کی مولانا عبدالماجد دریابادی سے داد طلب کریں۔ بلکہ ہم اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ خدائے غفور رحیم سے اُس شہید قوم کیلئے دعاء مغفرت کریں جو عمر بھر مسلمانوں کی خدمت کرتا رہا۔ اور جس نے مسلم قوم کی خدمت ہی کرتے کرتے اپنی جان ہمیشہ کے لئے خدا کے سپرد کر دی

آہ! ہم کس طرح اپنے اُس رئیس کی خدمت سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ جس نے قوم کے پیچھے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات حتیٰ کہ سخت بیماری میں بھی مسلمانوں ہی کی خدمت کرتا رہا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسکو اپنی رحمت میں جگہ دے اور اُس کی خدمات کو قبول کرے۔

اللّٰھم آنس وحشتہ وامن روعتہ ولقن حجتہ وبیض جراحتہ ونور تربتہ وارحم غربتہ وتقبل حسناتہ وکفر سیاتہ انک

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ؕ

معزز حاضرین! شہدائے پشاور کے مفصل حالات تو اُس رپورٹ میں آپ پڑھیں گے جو گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہے۔ جب حالات پُرسکون ہوں گے تو اُس رپورٹ کو شاید آپ پڑھ سکیں گے۔ اس وقت صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ شہدائے پشاور نے مسلمانان ہندوستان کی عزت رکھ لی ہے۔ مرنے والوں میں سے ہر شخص نے سینہ پر گولیاں کھائی ہیں۔ ایک مرنے والا بھی ایسا نہیں ہے جس کی پیٹھ پر گولی کا نشان ہو۔ یہ جرأت اور بہادری پشاور ہی کے مسلمان کر سکتے ہیں۔ خدا اُن کی قربانیوں کو قبول فرمائیے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ؕ

یکم فروری ۱۹۳۱ء "اخبار الجمعیۃ" دہلی

بدنصیب ہندوستان
کی
غلامی کا دردناک منظر

جناب صدر و معزز حاضرین! آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کے بعد آج ہی صبح کو آپ کے شہر کراچی میں پہونچا ہوں سفر میں عام طور پر تکلیف ہوتی ہے۔ ماندگی اور تکان کے باعث میرا ارادہ آج کسی قسم کی تقریر کرنے کا نہیں تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی علالت کے باعث میں نے مناسب سمجھا کہ مختصر طور پر چند کلمات آپ سے کہدوں۔

میرے عزیزو! آج عرصہ کے بعد آپ کے شہر میں مجھے تقریر کرنے کا موقع ہوا ہے۔ دنیا آج کل جس دور سے گذر رہی ہے۔ وہ ترقی اور تہذیب" کا دور ہے۔ دیکھو آج سے تیس ۳۰ برس پہلے لوگ مٹی کا دیا جلاکر روشنی حاصل کرتے تھے۔ جس میں کڑوا تیل اور روئی کی بتی بٹ کر جلاتے تھے لیکن آج بجلی کی بتیاں اور بجلی کے ہنڈے آپ کے سامنے ہیں۔ وہ پرانے زمانہ کے چراغ وہ پرانے فیشن کی لالٹینیں وہ فانوس کچھ بھی نہیں ہیں جن کا

مطلب یہ ہے کہ دُنیا نے ایک خاص شعبے میں اتنی ترقی کی ہے کہ پُرانے زمانے کی چیزیں متروک ہو گئی ہیں۔ اسی طرح سفر میں اب نہ وہ پُرانی بیل گاڑیاں ہیں نہ اونٹ گاڑیاں ہیں۔ بلکہ اب ریل ہے۔ جو چند گھنٹوں میں انسان کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہے۔ جس طرح سفر اب آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح دُنیا نے خبر رسانی کے ذرائع میں بھی ترقی کی ہے۔ تار ہیں۔ ٹیلیفون ہیں۔ ہوائی جہاز ہیں۔ اب نہ کبوتر ہیں۔ نہ گھوڑے گاڑیاں ہیں۔ غرض ترقی کا دَور ہے۔ ہر چیز نئی ایجاد ہو رہی ہے۔ اور پُرانی باتیں مٹ رہی ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں سے آپ کسی چیز کا انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ہو رہی ہیں قدرت کی مخفی قوتوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور میں بھی دیکھ رہا ہوں۔

حکومت کا حق

میرے دوستو! جس طرح یہ باتیں آپ کے سامنے ہیں۔ اسی طرح آج دُنیا کے نزدیک یہ امر بھی مسلّم ہے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر حکومت کا حق نہیں رکھتی وہ پُرانی بات کہ ایک راجہ ہو۔ ایک بادشاہ ہو۔ اب دُنیا نہیں قبول کرتی۔ اور ٹھیک یہی بات ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا آج جرمنی کو یہ حق ہے کہ وہ فرانس پر حکومت کرے یا فرانس کو یہ حق ہے کہ وہ اٹلی پر حکومت کرے۔ یا اٹلی کو یہ حق ہے کہ وہ ترکی پر حکومت کرے۔ یا ترکی کو یہ حق ہے کہ حجاز پر حکومت کرے یا حجاز کو یہ حق ہے کہ وہ ایران پر حکومت کرے، یا ایران کو یہ حق ہے کہ وہ روس پر حکومت کرے۔ یا روس کو یہ حق ہے کہ وہ انگلستان پر حکومت کرے یا ہندوستان کو یہ حق ہے کہ وہ امریکہ پر حکومت کرے (آوازیں۔ نہیں نہیں نہیں نہیں) جب کسی کو کسی پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے تو آخر انگلستان کو کیا حق ہے

کہ وہ ہندوستان کے تیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے۔ دُنیا کی تمام قومیں تو اس حق میں مساوی ہوں کہ کسی کو کسی پر حکومت کا حق نہ دیا جائے۔ لیکن بدنصیب ہندوستان آہ بدنصیب ہندوستان تجھ کو اتنا بھی حق نہیں کہ تو انگریزوں سے یہ کہہ سکے کہ بس ہمکو معاف کرو۔ اب ہم اپنے پر خود حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمکو بھی دنیا کی دوسری قوموں کی طرح اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا موقع دو۔ آخر ہندوستان نے کیا گناہ کیا ہے۔ جس کی پاداش میں تم ہمپر مسلط ہو۔ اور ہمکو آزاد آب و ہوا میں سانس لینا تم نے دشوار کر دیا ہے۔

میرے دوستو! یہ حکومت خود اختیاری کا وہ حق ہے کہ آج حکومت بھی اس کو تسلیم کر چکی ہے۔ اگرچہ موجودہ تہذیب کا یہ اصول نہ ہوتا تو آج انگریز کبھی اسکو تسلیم نہ کرتے لیکن انگریز کو مجبوراً یہ تو ماننا ہی پڑا کہ بیشک ہندوستان پر ہندوستانیوں ہی کو حکومت کا حق ہے۔ لیکن جھگڑا صرف اس میں ہے کہ ہم کہتے ہیں مکمل آزادی دو نہ دو تو ڈومینین اسٹیٹس ہم کہتے ہیں اچھا لاؤ وہی دو۔ وہ کہتا ہے بیس برس ٹھہر جاؤ۔ ہم کہتے ہیں نہیں۔ ابھی لاؤ اسی گول میز میں تم کو اعلان کرنا ہوگا۔ وہ ٹالنا چاہتے ہیں، ہم اڑنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے تم نالائق ہو، ہم کہتے ہیں، نہیں ہم حکومت کے قابل ہیں۔ تم حکومت نہ دینے کے بہانے کرتے ہو۔ غرض ہمارا حق تو مسلمہ ہے۔ لیکن یہ حق غاصب کے پنجے سے کب نکلتا ہے۔ اس کو خدا ہی جانتا ہے۔

مالک الملک کی تفسیر

میرے بھائیو! آج کل جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ قدرتی اسباب ہیں۔ تاریخ کو اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو جائے گا۔ آج انقلاب کی آواز کوئی نئی آواز نہیں ہے ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔ جب سے دُنیا میں حکمرانی اور ملکیت کی بحث چلی ہے۔ تب سے

خدا کی سنت اسی طرح جاری ہے۔ ایک سے چھینتے ہیں، دوسرے کو دیتے ہیں، اور دوسرے سے تیسرے کو اور تیسرے سے چوتھے کو۔ بہرکیف صفت مالکیت کا تقاضا یہی ہے کہ ایک ملک کبھی ایک پاس نہیں چھوڑتے کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء ان کی مشیت ہمیشہ یہی کھیل کھیلتی رہی ہے ورنہ جاؤ مصر میں جا کر دیکھ لو آج مصر کی سرزمین کا ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے۔

کم ترکوا من جنت و عیون و کنوز و مقام کریم۔ کذالک واورثنھا قوما آخرین۔

میرے عزیزو! کیا تم قرآن کریم کی تکذیب کر سکتے ہو، دیکھو مصر میں کس طرح انقلاب ہوا جس سلطنت پر فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ناز تھا۔ وہ کس طرح کمزوروں اور صرف کمزوروں کی طرف منتقل کر دی گئی۔

آج زار کا خاندان کہاں ہے؟ آج شریف اور امیر علی کہاں ہیں؟ قیصر ترکی اور شاہ امان اللہ اور ایران کا تاجدار کہاں ہے۔ دور نہ جاؤ ہندوستان کے راجہ مہاراجہ اور اسلامی تاجدار کہاں ہیں

اسپین پر حکومت کرنے والو بتاؤ تو! آج اسپین کس کے قبضے میں ہے۔ بغداد کو دارالخلافہ بنانے والو بتاؤ آج بغداد کس کے قبضے میں ہے۔ دہلی کو راجدھانی اور دارالسلطنت بنانے والو۔ بتاؤ۔ آج دہلی پر کون قابض ہے۔ سندھ کے میدانوں میں نعرہ تکبیر کی صدا بلند کرنے والو بتاؤ آج تمہاری اذان کس کے قبضے میں ہے۔ رائے پتھورا کے قلعہ پر کون قابض ہے۔ آج سومناتھ پر کس کا قبضہ ہے۔ دہلی کی لال حویلی آگرہ کا قلعہ اور کورے پانی کی ترجمانی کس کے قبضہ میں ہے۔ اہل کتاب کا قبلہ آج کس کے قبضے میں ہے۔ اگر تم نہیں بتا سکتے تو تم مجھ سے سنو کہ جس طرح پہلوں کی حکومت نہیں رہی۔ بالکل اسی طرح آج بھی انگریزوں کی طرف سے

کوئی گاڑنٹی نہیں کرسکتا یہ کام تو ہو کر ہی رہے گا۔ خواہ تم کتنی ہی کوشش کرلو۔ یاد رکھو۔
ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا

ہندو مسلم فسادات اور بھگت سنگھ کی پھانسی

کیا تم اور تمہاری حکومت یہ چاہتی ہے کہ دس پندرہ مقامات پر فساد کرا کے خدا کی سنت کو تبدیل کرا دے کیا ٹھیک کانگریس کے اجلاس سے چند دن پیشتر بھگت سنگھ اور اُن کے رفقار کو پھانسی دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کانگریس کو فیل کرا دیا جائے۔ اور حکومت سمجھ لے کہ وہ کامیاب رہے۔

بھائیو! سن لو صاف طور پر کہتا ہوں، اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان حرکتوں سے حکومت پائیدار نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اس کا زوال قریب آرہا ہے۔ رائے عامہ کا ٹھکرانا اور خدا کی بے بس مخلوق کی آواز کو پامال کرنا آسان نہیں ہے۔ چھ سال تک فسادات ہوتے رہے۔ لیکن اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ کیا ہندوستانیوں کے قلوب سے آزادی کا جذبہ فنا ہو گیا۔ لڑنے والے لڑتے رہے۔ لیکن سول نافرمانی کرنے والے اپنی اسکیمیں بناتے رہے۔ اور بم باز پارٹی اپنا کام کرتی رہی مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

سکھر میں جو کچھ ہوا سب ہندو مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ کیا پہلے مسلمانوں سے ہندوؤں کو نہیں پٹوایا گیا۔ اور پھر ہندوؤں کو تباہ کرانے کے بعد مسلمانوں کو تباہ نہیں کیا گیا معلوم نہیں ڈھاکہ میں کیا ہوا۔ تجوریاں دو مردوں سے تڑوائی جاتی تھیں۔ اور جو مال تجوریوں میں سے نکلتا تھا وہ پولیس اپنے قبضہ میں کر لیتی تھی۔ بنارس میں جو کچھ ہوا! اُس کی حقیقت بھی چند دن میں سامنے آئی جاتی ہے۔ آگرہ میں مسلمانوں کو جس بیدردی سے پولیس نے مارا ہے

اور ڈھول پول کے جلوس کو جس حفاظت سے نکلوایا ہے کیا وہ تم کو معلوم نہیں ہیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مسلمانوں کا خون اور اُنکی جانیں اسی کام کے لئے رہ گئی ہیں کہ ہندو باوے جا انگریزوں پر سے قربان کی جائیں)۔

غضب خدا کا ٹرکی سے جنگ ہو تو ہندوستان کا مسلمان استعمال کیا جائے۔ عربوں سے لڑائی ہو تو ہندوستان کا مسلمان بھیجا جائے۔ افغانستان سے جنگ ہو تو ہندوستان کی مسلم افواج استعمال کی جائیں۔ برہما کی بغاوت فرو کرانی ہو تو پنجابی رجمنٹ بھیجی جائے۔ چین پر اقتدار قائم کرنا ہو تو ہندوستان کا مسلمان، غرض جس جگہ دیکھئے مسلمانوں کا خون ہے۔ اور انگریزی استعماریت پر قربان ہو رہا ہے۔ پھر ان تمام قربانیوں کا صلہ بھی دیکھ لیجئے کہ پشاور اور چارسدہ میں انہی وفاداران ازلی کو کس طرح گولیوں کا نشانہ بنادیا گیا۔ آفریدی اور آزاد قبائل پر تو ایک لاکھ پونڈ سے زائد کا گولہ بارود خرچ ہی ہو چکا ہے۔ اچھا یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب کیا حکومت یہ چاہتی ہے کہ کانگریس کی تحریک کو بھی مسلمانوں ہی کے خون سے دبا یا جائے۔

یوپی میں تنظیم کا جال

صوبہ متحدہ میں تنظیم کا جال اسی دن کیلئے بچھایا گیا تھا۔ لکھنؤ اور الہ آباد میں اسی غرض کیلئے دوڑ دھوپ کی جارہی تھی۔ راونڈ ٹیبل کو اگر ختم کرنا ہی ہے اور ابھی انگریزی حکومت کو کچھ دنوں اور مضبوط کرنا ہے تو خدا کے لیے مسلمانوں کا خون استعمال نہ کرو۔ میں نے بنارس کے فسادات کے بعد کہا تھا کہ دیکھو اس آگ کو ہوا نہ دو۔ اخبارات سے عاجزانہ اپیل کی تھی۔ لیکن کون سنتا تھا۔ وہ تو ان ظالموں کے بے گناہوں کا خون بدلوا رہا تھا۔ آخر کانپور کی زمین نے اس بیج کو قبول کر لیا۔ اور اب یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ یہ شعلے یوپی سے متجاوز نہ ہوں گے۔

کانپور مقدس کا نپور رہی تو ہے۔ جہاں مسجد کے ایک حصے کو سنگینوں سے ڈھایا گیا اور مسجد کے منہدمہ حصے کی اینٹوں کو چنتے ہوئے مسلمانوں پہ فیر کیا گیا تھا اور آج تک بھی اس مسجد کا ایک حصہ گزرگاہ خاص وعام بنا ہوا ہے۔ یہ وہی مسجد تو ہے جسکے لیے مسلمانوں کا ایک وفد انگلستان جاکر ناکام واپس آیا تھا اور لارڈ ہارڈنگ کی مہربانی سے عدالت بھی مسلمانوں کی دادرسی نہ کر سکی تھی۔ آج وہاں کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا نہ مچھلی بازار کی مسجد کو کیوں بھول گئے ؟ کیا ان کا خون اسلئے ہے کہ مسجد کو ڈھلتے وقت بھی اسکو استعمال کیا جائے، اور فرقہ وارانہ ایموشل کیلئے بھی اسکو استعمال کیا جلئے۔

اشتعال کی ابتدا

میں جانتا ہوں کہ اب لڑانے والے اس کوشش میں ہوں گے کہ ایک کو دوسرے کے خلاف مشتعل کریں فرقہ وارانہ لیڈر اپنی الکیں کاہوں میں امن قائم ہونیکا انتظار کر رہے ہیں۔ امن قائم ہوا، اور یہ لیڈر مسلم حقوق کی چادر اوڑھ کر نکلنے شروع ہوئے۔ ادھر بعض اخبارات منہ کھولے بیٹھے ہیں کہ جھوٹے سچے بیانات پر موٹی موٹی سرخیاں لگا کر شائع کرنا شروع کردیں۔ معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کا خون کو اپنی تجارت چمکانے کے لئے اچھالیں۔ اور واقعات کو ایسے دل بلا دینے والے الفاظ میں شائع کرنا شروع کریں کہ جہاں جہاں فساد نہیں ہوا ہے۔ وہاں بھی فساد ہو جائے۔ گورنمنٹ بھی خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتی رہیگی کہ ہمارے نمکخوار خوب نمک حلال کر رہے ہیں۔ کون ہے جو گورنمنٹ سے دریافت کرے کہ عالیجاہا وہ آپ کی انتھ بند پولیس وہ آپ کی مشین گنیں، وہ پشاوری اور سرحدی قبائل کو تباہ کرنے والی فوج کہاں گئی وہ فورس کیا ہوئی جس سے حضور نے مچھلی بازار کی مسجد کو شہید کیا تھا آج آپ سے کانپور کے فساد

کو فرو نہیں کیا گیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ جنگ کانگریس کو کچلنے کیلئے نہیں کرائی گئی۔ کیا اس کا مقصد نہیں ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کو دشوار کر دیا جائے۔ کیا اس فساد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گول میز کانفرنس میں ہندوستان کو ذلیل کیا جائے۔ کیا یہ فساد چرچل کو خوش کرنے کیلئے نہیں ہو رہا ہے۔ کیا اس فساد کا نتیجہ انگریزی حکومت کو مضبوط کرنا نہیں ہے۔ کیا اس فساد سے سرکار پرست طبقے کی تمنائیں نہیں پوری ہو رہی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس بے گناہ خون میں خدا جانے کتنے لوگوں کے خطابات پوشیدہ ہیں۔ اور کتنے سی۔ آئی۔ ڈی والوں کی پنشنیں مخفی ہیں۔ اور کتنے اخبار والوں کے لیے سرکاری اشتہارات کی درخواستیں چھپی ہوئی ہیں۔

مسلمانو! میں کس طرح تمہارے سینے میں اپنا دل ڈال دوں۔ اور کس طرح اپنا سینہ چیر کر تم کو اپنے زخم دکھاؤں۔ تم کو دنیا کس طرح بے وقوف بنا رہی ہے۔ ہائے کتنے بے گناہ مارے گئے۔ اور کتنے اب گرفتار ہوں گے۔ کتنوں کو جیل ہو گی۔ اور کتنوں کے بیوی بچے فاقے مرینگے۔ نہ کسی لیڈر کا کچھ بگڑے گا۔ نہ کسی اخبار والے کا کچھ جائے گا۔

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس

بھائیو! امروہہ والو! افسوس کہ میں نے تمہارا بہت وقت لے لیا ہے۔ آپکے شہر میں جمعیۃ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اجلاس کو کامیاب بنانے میں پوری جد و جہد کرینگے۔ مجھے اگر فرصت ہوئی اور دماغ حاضر ہوا تو کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستان میری۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

کرسیوں

کا

لالچ چھوڑ دو

غیر قوم کو ہم پر حکومت کا حق نہیں

حضرت صدر محترم اور معزز حاضرین! ایک زمانہ میں مٹی کا چراغ جلتا تھا۔ لیکن آج بجلی کی روشنی ہے۔ ایک زمانے میں بیل گاڑی پر سفر ہوتا تھا لیکن آج ریل ہے۔ کسی زمانے میں قاصد خطوط لیجایا کرتے تھے۔ لیکن آج ڈاک گاڑی اور ہوائی جہاز سے خطوط جاتے ہیں۔ یہ ہر زمانے کی تہذیب ہے۔ ایک زمانے میں سلطنت کا طریقہ یہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹا، اور بیٹے کے بعد پوتا۔ اور اسی طرح جس قوم نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اُسے سلطنت کا حق حاصل ہو گیا۔ لیکن موجودہ زمانہ کی تہذیب اس کے خلاف ہے۔ آج کسی قوم کو دوسری قوم ...... پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔ نہ فرانس اٹلی پر حکومت کر سکتا ہے۔ نہ اٹلی جرمنی پر۔ نہ جرمنی روس پر حکومت کر سکتا ہے۔ بلکہ مصطفےٰ کمال جن کے آبا و اجداد نے صدیوں حرمین کی جاروب کشی کی ہے۔ اُن کو بھی ابن سعود پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کیا ہندوستان

کو انگلستان پر حکومت کرنے کا حق ہے؟ اگر ہندوستان کو انگلستان پر حکومت کا حق نہیں ہے تو انگلستان کو ہندوستان پر حکومت کا حق کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا ہندوستان اور انگلستان میں اس طرح صلح ہو سکتی ہے کہ ایک سال ہم انگریزوں پر حکومت کر لیا کریں اور ایک سال انگریز ہم پر حکومت کر لیا کریں۔ اگر تم اس طرح سمجھوتہ کرا سکتے ہو تو ہم تیار ہیں۔ لیکن اگر انگریز اس کے لئے تیار نہیں ہیں تو ہم بھی اس کیلئے تیار نہیں ہیں کہ انگریزوں کو اپنے ملک پر حکومت کرنے دیں۔

ملک ہمارا ہے

مولانا نے فرمایا یہ ملک ہمارا ہے۔ ہمارے آباو اجداد کی یہاں ہزار سالہ قبریں موجود ہیں۔ ہندو کا کیا ہے صبح کو مرا اور شام کو پھونک کر اس کی راکھ اڑا دی گئی اور ہمیں تو مرنے کے بعد بھی ڈھائی گز زمین پاؤں پھیلانے کو چاہیئے۔ پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ملک ہمارا نہیں ہے۔ ہندو تناسخ کا قائل ہے مرنے کے بعد اگر جرمنی یا امریکہ میں پیدا ہو گیا تو اس کا ہندوستانی ہونا ختم ہو گیا۔ دوسری جون میں بجائے ہندوستانی ہونے کے جرمنی یا امریکن ہو جاتا ہے لیکن مسلمان کو تو اسی ہندوستان کی زمین سے ہی خدا کے سامنے جانا ہے۔ ہمکو تو قیامت میں اپنی ہی قبروں سے اللہ رب العزت کی حضور میں پیش ہونا ہے۔ ہم تو مرتے وقت بھی ہندوستانی ہیں اور ہندوستان ہی کی زمین سے اٹھنے والے ہیں۔

منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى

جب ملک ہمارا ہے تو ہم ہی اس کو آزاد کرانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ آزادی کا سوال آتا ہے تو ہم انگریزوں کو چمٹ جاتے ہیں۔ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے رضا کار دل کو دھکے دے کر شرابیں پی جاتی ہیں۔ بدیسی کپڑا خرید تے ہیں۔ عورتوں کا مذاق

اُڑاتے ہیں۔ مسٹر چرچل کی تائید کا اعلان کرتے ہیں۔ جب کوئی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے تو غیر جانبدار بن جاتے ہیں۔ ان تمام حرکات قبیحہ کے بعد بھی آپ سے زیادہ کون وطن پرور ہو سکتا ہے؟۔

حقوق کی بحث

حضرات! آج کل مسلمانوں کو حقوق کی بحث سے کافی دلچسپی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں یہ کس طرح فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ ہم لوگ مسلم حقوق کے دشمن یا مسلمانوں کے بدخواہ ہیں۔ میں نے متعدد تقریروں اور جلسوں میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ہم پنجاب اور بنگال کی اکثریت کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ دیکھو اصول روز روز نہیں بنا کرتے کسی ملک کا دستور ہر روز وضع نہیں ہوا کرتا۔ لکھنؤ پیکٹ کو آج تک رو رہے ہو اور بیس برس رونے کے بعد پھر اسی غلطی کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہو۔ اس دفعہ بھی چند صوبوں کی خاطر پنجاب و بنگال کی اکثریت قربان کر چکے ہو اور پھر اُنہی صوبوں کے لئے پنجاب اور بنگال کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ زبان سے تم بھی یہی کہتے ہو کہ پنجاب کی مسلم اکثریت کے ہم حامی ہیں۔ لیکن تمہارا طرز عمل تمہارے قول کے خلاف ہے۔

تم بنگال میں دس سیٹیں یوروپین کو دے رہے ہو۔ ۴۶ مسلمان، ۴۴ ہندو، اور دس یوروپین۔ اب بتاؤ یہ بنگال کے مسلمانوں پر یہ کھلا ہوا ظلم ہے یا نہیں۔ تم کہتے ہو یوروپین اہل کتاب ہیں وہ مسلمانوں کا ساتھ دینگے۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ یوروپین سرمایہ دار ہیں۔ وہ ہندو سرمایہ داروں کے ساتھ جائیں گے مسلمانوں کا ساتھ کون دے گا۔ آج کل کے یوروپین برائے نام اہل کتاب ہیں۔ اُن سے مسلمان کیوں متوقع ہیں۔ ہندو اور یوروپین ایک طرف ہونگے۔ اور ۴۶ مسلمان ایک طرف ہونگے۔

اب اس کے مقابلہ میں ہم جیسے بے ایمان کی سُنیئے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی دیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو ووٹ کا معیار ایسا مقرر کیا جائے کہ مسلمانوں کو اُن کے تناسب سے ووٹ کا حق مل جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو ہاؤس میں مسلمانوں کی اکثریت محفوظ کر دی جائے۔ خواہ ایک کی اکثریت ہو، لیکن ہاؤس میں اکثریت کا تحفظ کیا جائے۔

مسلمانو! میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ بتاؤ۔ ہم نے کونسی اس میں بے ایمانی کی ہے۔ اس تجویز میں کونسی ہندو پرستی ہے۔ کیا ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کیا ہم مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم نے ملک و مذہب کے ساتھ غداری کی ہے۔ اگر تمہاری رائے میں اس سے بہتر کوئی صورت ہو تو تم بتاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہونے کو تیار ہیں۔ اگر تمہاری دوڑ دھوپ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنگال میں ۴۶ اور پنجاب میں ۴۹ مسلمانوں کی سیٹیں دی جائیں تو بتاؤ کوئی ایماندار تمہارا ساتھ دے سکتا ہے؟۔

بھائیو! حقوق مسلمین کے مدعی حضرات کی حقیقت بھی واضح ہے۔ اور ہم جیسے ہندو پرستوں اور کانگریس کے تنخواہ داروں کی حالت سے بھی آپ واقف ہو چکے ہیں۔ اب انصاف آپ کے ہاتھ ہے۔ جو کچھ کہو یہ سوچ کر کہو کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

سکھوں کی ضد

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ سکھ روز بروز اپنے مطالبہ کو سخت کر رہے ہیں۔ مسلم کانفرنس کے بعض غیر ذمہ دار حضرات، جو نامعقول باتیں کیا کرتے تھے۔ وہی اب سکھوں نے شروع کر دی ہیں۔ ہندو راج ہندو راج کا غل مچانے

والوں نے آخر مسلم راج کا طعنہ سُن لیا۔ سکھوں کی اس نامعقول روش سے ایک بات تو شاید آپ کی بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ تمام ہندوستان میں ہندو راج قائم ہو گا۔ بعض صوبے اس ملک میں ایسے بھی ہیں۔ جہاں کے ہندوؤں کو مسلم راج کا خطرہ ہے۔ تم جو ہندو راج کا ہمیشہ شور مچایا کرتے ہو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ نصف ہندوستان میں تمہارا ابھی راج قائم ہو گا۔ اللہ بخشے مولانا محمد علی کو وہ حساب لگا کر بتایا کرتے تھے کہ .... ۲ مسلمان ہندو اکثریت کے ماتحت آتے ہیں ـــ اور .... ۲ ہندو مسلمانوں کی اکثریت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اگر مولنا مرحوم کا یہ فرمانا صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر ہندو راج کو روتے رہنا اور مسلم راج کو بھول جانا کہاں تک صحیح ہے۔

حضرات! سکھوں کی اس نامعقول روش کا جواب اگر دینا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر اقلیت کے ویٹج سے انکار کر دو۔ اور صاف کہہ دو کہ ہم نہ کوئی رعایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ کسی کو رعایت دینے کے لئے تیار ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو سکھوں کی بیہودگی کو گورنمنٹ کس خاموشی کے ساتھ برداشت کر رہی ہے۔ اس ویٹج کے قصہ میں گورنمنٹ کی ٹانگ بھی پھنسی ہوئی ہے ـــ اگر مسلمان انکار کرتے ہیں تو یوروپین کی دس سیٹیں بھی خاک میں مل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سکھ روز بروز سخت ہوتے جاتے ہیں۔ اور جب تک مسلمان عقل سے کام نہ لیں گے، یہ مصیبت دور نہ ہو گی۔

بھائی صاحب! اگر مسلمان کا فائدہ چاہتے ہو تو کرسیوں کا لالچ چھوڑ دو۔ سب قصوں کو نظر انداز کر دو۔ لیکن پنجاب اور بنگال کی اکثریت کو بچاؤ۔ میں آپ سے صاف طور پر کہتا ہوں کہ آئندہ نظام میں اگر پنجاب و بنگال کی اکثریت کو نقصان پہونچے گا تو اُس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

میں نیشنلسٹ پارٹی کا ممبر نہیں ہوں۔ مجھے اس پارٹی سے ہمدردی ہے جو مسلمانوں کی خیرخواہ ہو۔ تم جداگانہ اور مخلوط میں الجھ رہے ہو۔ تمہاری طرف سے مسلمان دوزخ میں جائیں یا جنت میں تم اپنی کرسیوں کے لئے مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہو۔ پھر کہتے ہو کہ ہندوؤں کو برا نہیں کہتے۔ میں کہتا ہوں لاؤ ہندوؤں کے برا ہونے پر دستخط کر دوں۔ میں کوئی ہندوؤں کا شرمندۂ احسان ہوں جو ان کو برا کہنے سے ڈرتا ہوں۔ ہندوؤں سے کسی رواداری کا خیال کیوں رکھا جائے۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھو۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کو زندہ رکھنا ہے تو مسلمان بنکر مسلمانوں کی خدمت کرو۔ تم مسٹر جیجل کے کپڑے پہنکر مسلمانوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔

ہندو ذہنیت

حضرات! عام طور سے ہندو ذہنیت کا شور مچایا جا رہا ہے۔ میں عرض کرونگا ہندو ذہنیت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میں ہندوؤں کو تم سے بہت زیادہ جانتا ہوں۔ ہندو کی ذہنیت کس دن ٹھیک تھی۔ ہندو ذہنیت کے خلاف تم جسقدر پروپگنڈہ کرتے ہو اتنا ہی مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ آج تک تم نے لاکھوں مسلمانوں کو نقصان پہونچایا۔ تم سرمایہ دار اور مزدور کو لڑا کر یہ سمجھتے ہو کہ مزدور کی خدمت انجام دے رہے ہو۔ حالانکہ تم مزدور کو الٹی چھری سے ذبح کر رہے ہو۔ جتنا ہندو کو برا کہتے ہو ہندو بھی برا سمجھتا ہے کہ آخر بدنام ہوں اوّل بدنام ہوں۔ لاؤ مسلمانوں پر جتنا ظلم کر سکتا ہوں کرتا رہوں۔ چند و جماعت پسند ممبران میونسپلٹی و ڈسٹرکٹ بورڈ اور چند ملازمت پیشہ حضرات نے تمام فضاء کو مسموم کر دیا ہے۔ اپنی اغراض کے لیے غریب مسلمانوں کو تباہ کرتے ہیں۔ ہم نے دہلی میں دیکھا ہے۔ سینکڑوں معمار اور جلد جو ہندوؤں کے یہاں کام کرتے تھے۔ ایسے ہندوؤں نے انہیں علیحدہ کر دیا ہے۔

تمام کام جو مسلمان کیا کرتے تھے۔ ہندو اپنی قوم کو سکھا رہے ہیں۔ اور اپنی قوم سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمان کو مجبوری ہی ہو جائیں تو کام دیتے ہیں۔ باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ ہندو دن بدن سخت ہوتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں سرمایہ دار کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر مسلمان سرمایہ دار زیادہ ہوتے تو اپنی قوم کے غریب طبقہ کی پرورش کر لیتے۔ جو مسلمان سرمایہ دار ہیں۔ ان کی بھی یہ حالت ہے کہ بجائے مسلمان کے ہندو سے کام لیتے ہیں۔ دہلی میں میرے ایک دوست ہیں۔ وہ جائداد کی تعمیر کرا رہے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے تمام معمار مسلمانوں کو نکال دیا اور ہندو معمار کو بلا لیا۔ میں نے ان سے کہا حاجی صاحب یہ آپ نے کیا کیا۔ ان غریب مسلمانوں کو ہندو تو پہلے ہی نکال رہے ہیں۔ آپ بھی ان کو کام پر نہیں لگاتے۔ حاجی صاحب نے کہا مولانا صاحب کیا کروں ۹ بجے گھر سے نکل کر آتے ہیں اور چار بجے کام چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کچھ کہو تو لڑاتے ہیں۔ لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ہندو راج صبح آٹھ بجے آتے ہیں۔ پانچ بجے تک کام کرتے ہیں۔ دن بھر میاں جی میاں جی کہہ کر منہ سوکھتا ہے جس طرح دباؤ دیے جاتے ہیں۔ اب آپ بتائیے مسلمانوں سے کام لوں یا ہندوؤں سے

حضرات! یہ ہمارے سرمایہ داروں کی حالت ہے۔ اب آپ ہی بتائیے ہم سے ہمارے سرمایہ دار خوش نہیں۔ پھر ہم ہندوؤں کو الٹی میٹم دیدیں تو سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو نقصان پہونچے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں۔ اگر مسلمانوں کو سمجھائی جائیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کے ایجنٹ ہیں ہم ہندوؤں کے نمک خوار ہیں ہم ہندوؤں کے مفاد پر مسلمانوں کو قربان کر رہے ہیں۔ بھلا خیال کیجیئے۔ ہم نے ہندوؤں کا نمک کیا کھایا۔ ہندو تو خود ہی نمک بناتا پھرتا ہے۔ اگر ہندوؤں کے نمک خوار ہوتے تو آج اس عسرت میں کیوں مبتلا ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں

ایک ہی جماعت تو ایسی ہے ۔ جس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں ہے ۔ نہ ہم ہندوؤں کے نمکخوار ہیں اور نہ انگریزوں کے مرہون منت ہیں ۔

ہم ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہیں

بھائیو! ہم اپنے ملک کو اجنبی طاقت سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور فی الحال آزادی بھی اتنی چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کا روپیہ اور ہمارے ملک کے آدمی بلا ہماری اجازت کے ہندوستان سے باہر نہ جا سکیں ۔ اس مبارک مقصد میں اگر کوئی ہمارا ساتھ دے سکتا ہے تو ہمارے ساتھ چلے ورنہ اپنے گھر بیٹھ رہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ مقصد بدون ہندو مسلم اتحاد کے حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اسلیئے ہم کوشش کرتے ہیں کہ دونوں قوموں میں باہمی اتحاد قائم رہے ۔ جو لوگ ملک کے امن دامان کو خاکستر بنانا چاہتے ہیں اُن کو ہم ملک کا دشمن سمجھتے ہیں ، اور بالخصوص مسلمانوں کی لڑائی سے مسلمان کو ہی نقصان پہنچتا ہے ۔

کانپور کے مظالم

حضرات کانپور میں جو کچھ ہوا میں اس سے غافل نہیں ہوں ۔ میں نے کانپور میں دو دن قیام کر کے سب کچھ دیکھا ہے ۔ مجھے اس کہنے میں کچھ باک نہیں ہے کہ وحشت اور بربریت کی بدترین مثال ہے ۔ جو ہندوؤں کی جانب سے قائم کی گئی ہے ۔ یہ اندازہ لگانا میرے لیئے مشکل ہے کہ فریقین کی جان و مال میں کس کا نقصان زیادہ ہے میں نے تو یہ سمجھا ہے کہ آخری دن ہندو مسلم کا امتیاز باقی نہیں تھا ۔ بلکہ مسلمانوں کو مسلمان لوٹ رہے تھے ، اور ہندوؤں کو ہندو لوٹ رہے تھے ۔ شہر میں ایک قیامت برپا تھی ۔ جو باقی رہ گیا تھا ۔ وہ عمال حکومت نے برابر کر دیا ۔ ہمارے ایک دوست ایک مثال دیا کرتے ہیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چوٹٹوں سے جو بچا وہ خال ملولئی

میں گیا وہ ہی مثال کانپور کی ہے کہ غنڈوں سے جو بچا وہ پولیس اور گورے کھا گئے۔ غرض اس کی شکایت نہیں کہ کس نے زیادہ لوٹا اور کون زیادہ مرا سوال ہے عورتوں اور بچوں کے قتل کا۔ بلا امتیاز بالغ و نابالغ کا قتل، جوان اور بوڑھے کا قتل، یہ چیزیں ایسی ہیں جن پر جس قدر ملامت کی جائے کم ہے۔

میرے عزیزو! ہندو تاریخ میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، تمہارے سامنے آجکل صرف کانپور ہے لیکن میرے سامنے کرتار پور بھی ہے۔ مجھے آرہ اور شاہ آباد بھی یاد ہے کیا ہندوؤں نے شاہ آباد کی تحصیل میں حاملہ عورتوں کو برچھیوں سے نہیں قتل کیا۔ اور ہندوؤں ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ بلقان میں مسلمان عورتوں کے ساتھ کیا کیا گیا؟ آپ دنیا کے کسی کافر سے بھی انصاف اور رحم کے کیوں متوقع ہیں۔ جو لوگ کسی قانون کے پابند نہیں ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان جو کامل قانون کا پابند ہے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ بچوں کو قتل کر سکتا ہے۔ نہ بوڑھوں کو، بلکہ مسلمان تو کسی راہب اور سنیاسی کو بھی قتل نہیں کر سکتا۔ کمزوروں اور معصوموں کو قتل کرنا بزدل اور نامرد کا کام ہے۔ کسی شریف اور بہادر سے اس قسم کی حرکت سرزد ہی نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کا سمجھ دار طبقہ ضرور اس ناشائستگی پر شرمندہ ہوگا۔ لیکن اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ اب تمام ہندوستان کو کانپور بنا دیا جائے۔ بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ ہر مقام پر ہندو مسلمانوں کے مشترکہ بورڈ بنائے جائیں۔ ملک کی فضا کو خوشگوار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ سمجھ لیا جائے کہ دونوں قوموں کو اس ملک میں رہنا ہے۔ جب تک دونوں قوموں کے باہمی تعلقات اچھے نہ ہوں ملک کے باشندوں کو آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔ ہندو ذہنیت کا ماتم کرنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر مسلمانوں کی صحیح خدمت کرنی ہے اور مسلمانوں کا نام لیکر انگریزوں کی خدمت کرنا مقصود نہیں ہے تو

گھروں سے نکلو اور مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کرو۔

مسلمانوں کا نام اور انگریزوں کا کام

بھائیو! معاف کرنا میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ بعض خود غرض لیڈر اپنی کونسلوں کے لیے مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان حضرات کے سامنے اپنا ذاتی مفاد ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو۔ یہ پنجاب و بنگال کی اکثریت کو جداگانہ انتخاب کے پردے میں برباد کر رہے ہیں۔ میں صاف طور پر جناب سے عرض کرتا ہوں کہ اقلیت کے صوبوں میں وزن رکھتے ہوئے پنجاب و بنگال کی اکثریت کو زیر و زبر کرنا سخت مشکل ہے۔ ہندوؤں کا معاملہ تو پیچھے آئے گا تم پہلے مسلمانوں کو تو سمجھاؤ۔ تم آپس میں تو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے لئے تیار ہی نہیں ہو۔ یو۔پی والے کہتے ہیں کہ ہم اپنی ایک سیٹ بھی کم نہیں کرینگے۔ پنجاب و بنگال کے مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اپنی اکثریت نہیں چھوڑیں گے۔ جب تم خود ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کے لئے تیار نہیں، تو ہندوؤں سے کیا شکایت کرتے ہو۔ یو۔پی کا مسلمان اٹھائیس فیصد سیٹیں لینے پر راضی نہیں۔ پنجاب کا مسلمان چھپن کے بچپن کرنے پر آمادہ نہیں تو تم ہی بتاؤ کہ کام کس طرح چل سکتا ہے۔ ہندو اپنی فکر میں لگا ہوا ہے وہ چاہتا ہے کہ بجائے پانچ آنے کے میاں کو دو آنے ہی دے کر چلتا کر دوں۔ سرکاری مسلمان اس فکر میں ہیں کہ جس طرح ہو گول میز میں ان کا نام آ جائے کوئی خطاب مل جائے اور آئندہ کے لئے جداگانہ انتخاب کے ذریعہ کونسلوں میں جانے کا بیمہ ہو جائے۔ اور ہم گول میز میں جا کر مرکز میں ذمہ داری کی مخالفت کر آئیں۔ مسلمانوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے رہیں کہ ہم تمہارے حقوق کے لئے لڑتے ہیں۔ گویا مسلمان اور انگریز کا حق اس زمانے میں ایک ہی سا ہے۔

میاں سر فضل حسین صاحب کی مساعی سے مولانا شفیع داؤدی کا نام گول میز کے لئے منتخب ہو جائیگا۔ دو چار بزرگوں کو سر ورکا خطاب مل جائیگا۔ انگریزوں کے پاس دس سال کیلئے تحفظات رہ جائینگے۔ بس انہی باتوں سے سات کروڑ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو جائے گا۔ گویا مولانا شفیع داؤدی کا گول میز میں چلا جانا سائمن رپورٹ کا مل جانا۔ بنگال میں چھیالیس اور پنجاب میں اُنچاس مسلمانوں کی سیٹوں کا ریزرو ہو جانا ہی مسلمانو کے حقوق ہیں اور انہیں باتوں سے آئندہ مسلمانوں ہندوستان میں باعزت ہو کر زندگی بسر کرینگے۔ ان تمام غداریوں ملت فروشیوں کے باوجود یہ خود غرض مسلمانوں کے سچے رہنما ہیں۔ صحیح خیر خواہ ہیں مسلم اکثریت ان کی ہمنوا ہے۔

جمعیتہ علماء ہند اور اُسکے ارکان

خدا کی شان دیکھئے آج ہر سرکار پرست مسلمانوں کا رہنما بنا ہوا ہے۔ لیکن جمعیتہ علماء کے ارکان کانگریس کے تنخواہ دار ہیں۔ پٹیل کے خیرات خور ہیں۔ میں نے بارہا عرض کیا ہے اور آج بھی جناب سالک اور مہر کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اُن میں صداقت و دیانت کی کوئی رمق باقی ہے تو وہ میدان میں آئیں اور کانگریس کا ایک پیسہ ثابت کریں۔ جن اصحاب کا کمیشن وہ چاہیں مقرر کریں خواہ حلف پر فیصلہ کریں۔

حضرات! میں نے ہر جلسے میں بتایا ہے کہ جمعیتہ علماء کے ذمے اسوقت کم و بیش پانچ ہزار روپیہ کا قرضہ ہے۔ سال بھر سے زیادہ مکان کا کرایہ ذمہ ہے۔ پریس کے دو ہزار باقی ہیں۔ مبلغین و مدرسین کی چھ ماہ سے تنخواہیں ادا نہیں ہوئیں۔ تمام مکاتب خطرے میں ہیں۔ مشین خریدی ہوئی پڑی ہے۔ جس کو ابتک فٹ نہیں کرا سکا ہوں۔ انہی پریشانیوں کے باعث روزانہ اخبار بند کر دیا ہے۔

یہ تو دفتر کی حالت ہے اور ذاتی حالت کے متعلق تو میں کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا ہے

بس گرسنہ خفت و کس ندانست کہ کیست
بس جاں بلب آمد کہ بروکس نہ گریست!

خدا جانے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں اور ان غداروں نے یہ جگہ پکڑ لی ہے۔ سر فضل حسین اور فیروز خان نون کے دسترخوان کی ہڈیاں چبانے والے بھی جمعیۃ علمائے ہند کے ارکان کو کانگریسی نمک خوار کا طعنہ دینے کے قابل ہو گئے۔

حضرات! میں پھر اپنے سابقہ جملے دہرانے پر مجبور ہوں۔ تم مجھے ناسمجھ بیوقوف سیاست سے نابلد تو کہہ سکتے ہو۔ لیکن بے ایمان نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے لئے مجھ کو اپنے پر قیاس نہ کرو۔ اخبار الجمعیۃ کو ان صحیفہ نویسوں پر قیاس نہ کرو جن کا ذریعہ معاش ہی گالیاں دینا ہے۔ وہ ہندوؤں کے خلاف بھی اس لئے لکھتے ہیں کہ اُن کے منہ میں لقمہ دیدیا جائے۔ کبھی کسی ہندو افسر کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ کبھی کسی ہندو ریاست کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ کبھی کسی ہندو رئیس کو چمٹ گئے۔ اور جب ان ٹکڑ گداؤں کو کوئی ٹکڑا مل گیا۔ تو چند دن کے لئے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ کبھی اللہ شریف کی ٹانگ پر منہ مار دیا۔ اس قسم کے اخبار نویس ملت اسلامیہ کے لئے ایک بدنما داغ ہیں۔ بہرکیف ہر شخص کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ ہم نے آج تک مسلمانوں کو جو کچھ مشورہ دیا ہے وہ اپنے ایمان اور ضمیر کی روشنی میں دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہماری رائے غلط ہو۔ ہمارا کوئی گناہ اگر ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ ہم انگریزی حکومت کو مضبوط کرنے کے حامی نہیں ہیں۔ کیا اسی گناہ پر جمعیۃ علماء کو آنجہانی اور سابق لکھا جایا کرتا ہے۔ اور ایک بدباطن اخبار نویس تو سور گبھاشی لکھا کرتا ہے۔ غالباً ان حضرات کا مطلب یہ ہوگا کہ جمعیۃ علماء کسی زمانے میں تھی گو یا اب اس کے وجود سے ہی انکار ہے۔ یہ آخر زندہ

جماعت کو جسکے ممبر ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مُردہ کیوں تصوّر کرلیا ہے۔ کیا اس وجہ سے کہ جمعیۃ علماء نے سر فضل حسین کی اسکیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میاں صاحب سے صاف کہدیا کہ اس اسکیم سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچے گا۔ اسلئے ہم اسکی تائید نہیں کرسکتے۔ کیا زندہ جماعت کو مردہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے گورنمنٹ کی اُس پیشکش کو ٹھکرادیا جو ہم کو وہ سول نافرمانی سے علیحدہ رہنے کے لیئے پیش کرنا چاہتی تھی۔ غالباً ہمارا قصور یہی ہے کہ ہم سرکار پرستوں کے ہاتھ میں کھیلنا نہیں چاہتے، اور ہم اُس کانفرنس کی تجاویز کو صحیح نہیں سمجھتے جو گورنمنٹ آف انڈیا کے دفتر میں بنائی گئیں۔ اور پبلسٹی بورڈ میں جن کو ٹائپ کیا گیا۔ غضب خدا کا جو غدّار مسلمانوں کے ساتھ کھلی دشمنی کررہے ہیں۔ جو شملے کی چوٹیوں پر بیٹھکر مصالحت ومفاہمت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوں۔ جو فیروز خاں نون کے بنگلے پر رات کو ملک وملت کے خلاف اسکیمیں بناتے ہوں وہ تو زندوں میں شمار کیئے جائیں اور جمعیۃ علماء کے خدّام کو مُردہ کہا جائے۔ واللہ المستعان علیٰ ماتصفون۔

مسلمانو! اللہ کے واسطے مجھے بتاؤ کیا بدیسی کپڑا پہننا بھی کوئی اسلامی خدمت ہے کیا گاڑھا بھی ہندو ہے۔ بنگال کے باشندوں کیا تمہیں معلوم نہیں۔ تمہارے بزرگوں کے انگوٹھے کاٹے گئے تھے۔ وہ ململ کا تھان جو مٹھی میں آجایا کرتا تھا تمہاری تجارت کو یورپ میں کس طرح برباد کیا گیا۔ آج اگر یورپ کی تجارت کے خلاف کہا جاتا ہے تو بگڑ جاتے ہو۔ کیا دیسی کپڑے میں مسلمانوں کا فائدہ نہیں ہے۔ تحریک کے زمانے میں تم نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کا مال ہندوؤں سے خریدا، ہندوؤں کی تمام تجارت کو تم نے بچایا۔ لیکن تم ہندوؤں کے دشمن اور ہم غلام۔ اگر تم سول نافرمانی کے زمانے میں ولایتی کپڑا نہ خریدتے۔ تو ہندوؤں کو

لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوتا۔ لیکن تم نے چوری چوری اپنی بیویوں کے زیور گرو رکھکر ہندوؤں کی رقم ہری کر دی۔ مسلمانوں کا منہ بھی کالا کرایا۔ اور ہندوؤں کو فائدہ بھی پہونچایا۔ اپنے اسراف اور اپنی فضول خرچیوں کے باعث ہندوؤں کو لاکھوں روپیہ سود کا دے کر بھی تم ہندوؤں کے حریف اور ہم ہندوؤں کے مفاد پر مسلمانوں کو قربان کرنیوالے۔ کیوں صاحب کیا تم کو مرنا نہیں ہے۔ کیا تم کو خدا کے سامنے جانا نہیں۔ دیکھو قیامت میں فیروز خاں نون اور سر فضل حسین، اور مسٹر چرچل کام نہیں آئیں گے۔ یہ زبان اور قلم کا زور نہیں رہ جائے گا۔ میں تم کو دوستانہ نصیحت کر رہا ہوں۔ ؎

من انچہ شرط بلاغست باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

یکم جولائی ۱۹۳۱ء
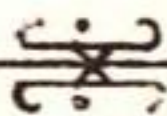
جناب صدر اور معزز حاضرین! اس سے پیشتر کہ میں آپ حضرات کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کروں مناسب سمجھتا ہوں کہ بفحوائے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ آپ حضرات کی مہمان نوازی اور حسنِ انتظام کا شکریہ ادا کروں، گرمی اور برسات کے موسم میں مکان کی عام طور سے تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے میں آپ حضرات کا ممبرانِ مجلس عاملہ کے لئے آرام و آسائش کا سامان مہیا کرنا یقیناً اس قابل ہے کہ مسلمانانِ سہارنپور کا صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کیا جائے۔ جمیعتہ علماء ہند کیلئے یہ پہلا موقع ہے کہ اس کی مجلس عاملہ کا اجلاس سہارنپور میں ہو رہا ہے۔ غالباً آپ حضرات تو جمیعتہ علماء ہند کو نہ جانتے ہونگے۔ لیکن میں آپ کو ایک عرصہ سے جانتا ہوں۔ اگر مجبوری سی بات نہ ہوتی تو میں یہ بھی کہتا کہ جمیعتہ علماء ہند مسلمانانِ سہارنپور کی ۲۳ء میں خدمت بھی کر چکی ہے اور یہ بات مجبوری اس لئے ہے

کہ ہم نے جو کچھ خدمت کی وہ مسلمانوں ہی کا روپیہ تھا۔ جو ضرورت کے وقت مسلمانوں ہی پر خرچ کر دیا گیا۔ بہرحال اب آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے شہر میں آئندہ بھی جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہوتے رہیں گے۔ اور میں تو ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

مدرسہ مظاہر العلوم

جناب صدر! اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ مدرسہ والوں نے آپ کے مہمانوں کو قیام کی جگہ نہیں دی۔ اور اس لئے آپ کو قیام کے لئے کوٹھی کا انتظام کرنا پڑا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مظاہر العلوم اُن مدارس میں سے ہے کہ جس نے خلافت کی تحریک میں بھی نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا تھا، اور آج کل تو خالص وطنیت کی تحریک ہے۔ اگر مدرسہ والوں نے حزب الوطنی کے ممبران کو ٹھیرانے سے انکار کر دیا تو یہ امر کوئی قابل شکایت نہیں ہے۔ اس تحریک میں تو عام طور سے عربی مدارس پر جمود طاری رہا۔ اور بھائی سچ پوچھو تو یہ مدارس خلافت کی تحریک میں بھی شریک نہ ہوتے۔ لیکن اس وقت تو یہ مسلمانوں کی رائے عامہ سے دب گئے تھے۔ ورنہ یہ تو صرف درس تدریس کے رہ گئے ہیں۔ ان میں عملی رُوح کہاں ہے۔

تحریک خلافت اور مسلمان

بھائیو! میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے۔ جب ایک امام کو محض اس لئے امامت سے علیحدہ کر دیا جاتا تھا کہ وہ خلیفۃ المسلمین کا نام کیوں نہیں لیتا اور ایک مولوی اگر خلافت کا ذکر نہ کرتا تھا تو مسلمان اُس کے وعظ میں سے اٹھ کر چلے جایا کرتے تھے۔ مسلمانوں

میں اعتدال تو ہے ہی نہیں۔ انگریزوں کے نکالنے کا ایسا بھوت سوار ہوا تھا کہ جہاں ذرا کسی نے ہندو کو کچھ کہا۔ اور یہ لڑنے کو تیار ہوئے۔ اور فوراً اس کے خلاف سی۔ آئی۔ ڈی کا الزام لگا دیا۔ دہلی میں تو کئی فقیروں کو محض اس شبہ میں پیٹ دیا گیا۔ کہ وہ سی۔ آئی۔ ڈی کے ہیں۔ اُس زمانہ میں یہ حال تھا کہ ذرا کوئی خلاف بولا اور جھٹ سی۔ آئی۔ ڈی کا الزام لگا۔ ذرا کسی نے کہا کہ بھائی ہندوؤں کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہو۔ اور فوراً تم نے کہا حضرت معلوم ہے آپ کو پولیس سے تنخواہ ملتی ہے۔ لوگوں کو تو جھوٹ بولنے کی بیماری ہوتی ہے۔ ایک صاحب بولے ابھی میں نے وہ رجسٹر دیکھا ہے جس میں ان کا نام اور ان کی تنخواہ لکھی ہے۔ ایک صاحب بولے ابھی میں نے چیک کے نمبر دیکھے ہیں۔ غرض اب سے دس سال پہلے مسلمانوں کی عجیب حالت تھی۔ آج بھی وہ مسلمان ہیں۔ وہ ہی انگریز ہیں۔ وہ ہی دس سال پہلے کا ہندو ہے۔ لیکن آج ذرا اتنا کہدو کہ بھائی ہندو مسلمانوں کو مل کر رہنا چاہیئے۔ بس فوراً آپے سے باہر ہو جائیں گے۔ نہ صرف ہندو پرست اور کانگریس کا نمک خوار کہیں گے۔ بلکہ چیک کے نمبر بھی بتا دینگے۔ بہر حال ایک زمانہ مسلمانوں پر بھی قوم پرستی کا گذر چکا ہے۔ اس زمانے میں بھی عربی مدارس نے بہت سنبھل سنبھل کر قدم اٹھایا تھا۔ آج کل تو زمانہ ہی بدلا ہوا ہے۔ پھر اگر مظاہر العلوم نے چند علماء کو مدرسہ میں جگہ نہ دی تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

کھائینگے گھی سے نہیں تو جائینگے جی سے

بھائی صاحب معاف کرنا یہ مولوی تو ایک ہی چیز جانتے ہیں یا تو جہاد کریں گے نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جذبہ تو قابل

تعریف ہے لیکن تجربے کے خلاف ہے ۵۷ء میں جہاد کر کے دیکھ چکے ہو۔ جب اُس وقت کامیاب نہیں ہوئے تو اب کیا توقع ہے۔ تمکو اگر جہاد کا شوق ہے تو کر کے دیکھ لو۔ مجھے تمہارے اس عقیدے پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن کامیاب نہیں ہو گے۔ اور یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ یا تو جہاد کرو گے ورنہ کچھ بھی نہیں کرو گے۔ میاں ہر زمانے کا جہاد الگ الگ ہوتا ہے مکہ میں مدافعت کا طریقہ اور تھا۔ مدینہ میں کچھ اور تھا۔ تم سول نافرمانی کے وقت نیت جہاد ہی کی کر لیا کرو۔ تم کو انشاء اللہ اُسی کا ثواب مل جایا کرے گا۔

انقلاب سنت الٰہی ہے

حضرات! اس مختصر تمہید کے بعد گذارش ہے غالباً آپ نے دُنیا کی تاریخ پڑھی ہوگی۔ کیونکہ اب تو لوگوں نے دس ہزار برس کی تاریخ مرتب کر لی ہے۔ لیکن اگر آپ نے دُنیا کی تاریخ نہیں پڑھی تو کیا آپ نے عرب کا انقلاب بھی نہیں دیکھا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو قوم جملہ معائب و نقائص میں مبتلا تھی اس میں کیسا انقلاب ہوا اور وہ کس طرح تمام خوبیوں کی مالک بن گئی۔ کیا تم نے قرآن پڑھتے ہوئے خلیفہ ثالث کا قتل بھی نہیں دیکھا۔ کیا تم نے تیسرے دن رات کے اندھیرے میں حضرت عثمان کی لاش کو اس حالت میں اُٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا کہ اُن کا سر زمین سے رگڑتا ہوا جا رہا تھا۔ اگر تم نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا تو کیا سبط رسول اللہ علیہ وسلم کا میدان کربلا میں سر تن سے جدا ہوتے بھی نہیں دیکھا اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ جس طشت میں حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر رکھا ہوا تھا۔ اور کچھ دنوں کے بعد اُسی دار الامارت میں اسی طشت کے اندر عبید اللہ بن زیاد کا سر بھی کٹا ہوا رکھا تھا۔ اور کچھ دنوں بعد اسی طشت میں مصعب بن عمیر کا سر رکھا تھا۔ اور پھر کچھ دنوں بعد اُسی طشت میں مختار کا سر رکھا تھا۔ اگر تم نے یہ کچھ نہیں دیکھا تو کیا

فرعون کو دریا میں ڈوبتے اور بنی اسرائیل کو مصر کا بادشاہ بنتے بھی نہیں دیکھا کیا تم نے حسینؑ کے قاتلوں کی ہڈیاں قبر سے اکھڑتے اور ان میں آگ لگتے بھی نہیں دیکھا۔ کیا تم نے عبداللہ بن زبیر کا سر مکہ کے دروازے پہ لٹکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اگر تم نے یہ کچھ نہیں دیکھا تو کیا بغداد کو تباہ ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اور تاتاریوں کو مسلمان ہوتے بھی نہیں دیکھا۔ کیا تم نے انقلاب اسپین بھی نہیں دیکھا۔ کیا تم نے سات سو سالہ حکومت کے تاجدار کو شب کے آخری حصہ میں ایک پرانے اور شکستہ جہاز میں اپنے اہل وعیال اور بڑھیا ماں کے ساتھ ہسپانیہ سے نکلتے نہیں دیکھا۔ میرے عزیز! اگر یہ کچھ نہیں دیکھا تو کیا بہادر شاہ کا وہ خوان بھی نہیں دیکھا جس میں اُن کے بیٹوں کا سر کاٹ کر عمال حکومت نے اس طرح پیش کیا تھا۔ جس طرح کسی کے سامنے بہتر ین خوان میں عمدہ کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ کیا تم نے اجنالہ کے کنویں میں کوپر کی کار فرمائیاں نہیں دیکھیں۔ کیا تم نے دہلی کی سڑکوں پہ شرفائے دہلی کی لاشوں کو خون میں تڑپتا ہوا نہیں دیکھا۔ کیا تم نے مسلمانوں کے جسم پر سؤر کی چربیاں مل مل کر پھانسیاں دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لارڈ ولنگٹن جو آج تم بے وقوفوں کی امیدوں کے منتہا بنے ہوئے ہیں۔ کیا اُن کے عہد ماضی میں ۲۰۰ موپلاؤں کو ایک بند ڈبے میں بے آب ودانہ مرتے نہیں دیکھا۔ سہارنپور کے مسلمانو! اگر تم نے ان انقلابات میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ تو کیا سردی کے بعد گرمی اور گرمی کے بعد برسات، اور خزاں کے بعد بہار اور بہار کے بعد خزاں بھی نہیں دیکھی۔ اور کیا طفولیت کے بعد شباب، اور شباب کے بعد کہولت اور کہولت کے بعد شیخوخت اور شیخوخت کے بعد موت بھی نہیں دیکھی تمہیں کیا خبر ہے کہ کل صبح کو جو آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ اس کی شعاعوں میں کتنے بچوں کی ولادت ابھی ہوئی ہو گی۔ اور کتنے زندہ لوگوں کی موت اُٹھی ہوئی ہو گی۔ نہ معلوم کل کا آفتاب اپنی کرنوں میں کتنے بے گناہوں کی پھانسی

اور کِتنے عزّت داروں کی ذلّت، اور کِتنے ذلیلوں کی عزّت اچھالا ئے گا۔ کل دن کے بعد جو رات آنے والی ہے، خدا جانے اُس سیاہ بچھونے کی تہ میں کِتنوں کی زندگی اور کِتنوں کی موت لپٹی ہوئی ہو گی۔

میرے دوستو! تم میرے ساتھ دہلی چلو تو میں تم کو دکھاؤں کہ جن کے باپ دادا کل تخت و تاج کے مالک تھے۔ آج اُن کے بیٹے اور پوتے بھیک مانگ رہے ہیں۔ اگر دُنیا میں یہ سب کچھ ہوتا ہے، اور ہوتا رہا ہے تو میرے عزیزو سمجھ لو کہ موجودہ حکومت کی بھی کوئی ذمّہ داری نہیں لے سکتا۔

قانون قدرت کا مقابلہ

آج مسلمان انگریزوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اپنے ملک کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ لیکن میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ انگریزی تاریخ میں وفاداری کا کوئی صلہ نہیں ہے۔ تم انگریز کی حمایت کر کے انگریز کو بچا نہیں سکتے۔ تم مٹھی بھر غدار ٹوڈیوں کی حمایت تو ۲۷ مظلوم و بیکس موپلا کی ارواح کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ ۲۰۰ پشاور کے مظلوم شہیدوں کی ارواحِ مقدسہ کا مقابلہ تم ان سب کو خودکشی اور حرام موت کے فتوے دیتے رہو۔ لیکن جن تصویروں کو مٹایا گیا ہے۔ ان کا خالق اُن کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ یاد رکھو خدا کافر کو سلطنت دے سکتا ہے لیکن ظالم کو نہیں دیا کرتا۔ بھلا تم اس انقلاب کے فلسفے کو بھی جانتے ہو۔ لو ایک قرآن کی آیت سُن لو۔ پھر اپنے گھر میں بیٹھ کر اس پر غور کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعضٍ لفسدت الارض و لکن اللہ ذو فضل علی العٰلمین ۝ اگر اس غیبی مدافعت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جاتا۔ اچھا ایک آیت اور سُن لو فرماتے

ہیں۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لھدمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ٭ اب بتاؤ گویا منشاء مدافعت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ کفر کو مٹانا مقصود نہیں ہے۔ ورنہ صوامع اور صلوٰۃ وغیرہ کو انہدام سے محفوظ رکھنے کے کیا معنی آتا میں جانتا ہوں کہ اگر مسلمانوں نے اپنے ملک کے ساتھ غداری کی تو وہ انگریزوں کی عمر بڑھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ چاہیں کہ انقلاب ٹل جائے تو انقلاب ٹل نہیں سکتا۔ انقلاب کا مقابلہ قانونِ قدرت کا مقابلہ ہے وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا ٭

حقوق کا سوال

جہاں تک تصفیہ حقوق کا سوال ہے یہ مطالبہ کوئی نامعقول نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ حقوق کیا ہیں ہم حقوق کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آئندہ دستور اساسی میں مسلمانوں کا تحفظ ہو جائے۔ اور تم کہتے ہو کہ سر فضل حسین کی کرسی کا تحفظ ہو جائے۔ مسلمانوں کا جہاں تک معاملہ ہے تصفیۂ حقوق صبح سے پہلے ممکن ہے۔ لیکن تم تو مسلمانوں کا نام لے کر انگریزوں کا تحفظ چاہتے ہو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ میں مسلم کانفرنس کے نمائندوں کو اللہ جل جلالہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کراچی کانگریس سے قبل جب گاندھی جی ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر مقیم تھے۔ ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر سب سے پہلے جو فارمولا بنا تھا اس میں تمہاری کونسی بات نہ مانی گئی اس فارمولے کی نقل ابتک جمعیۃ کے دفتر میں رکھی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے تمام مطالبات تھے۔ اس مجلس میں سیٹھ عبداللہ ہارون بھی تھے۔ مولانا شوکت علی بھی تھے، شفیع داؤدی بھی

تھے۔ غرض مسلم کانفرنس کے تقریباً تمام ذمہ دار موجود تھے۔ اس فارمولے میں وہ سب کچھ ہے جو مسلمان چاہتے ہیں۔ لیکن ہائے اس قوم کی بدقسمتی دیکھئے کہ رات کے گیارہ بجے جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹر انصاری نے ان کے تمام مطالبات سے اتفاق کر لیا تو یہ ایک دم اپنا بستہ لپیٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور یہ فرماتے ہوئے روانہ ہوئے کہ بس ڈاکٹر صاحب اب ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے تمام معاملات سلجھ ہو گئے بس اب کل ہو جائے گا۔ ایک نقطہ انتخاب کا معاملہ رہ گیا ہے۔ اس پر کل غور کر لیا جائے گا۔ خدا کا شکر ہے مسلمانوں میں اتفاق کی صورت نکل آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر چند کہا کہ اب مکمل ہی کر لیجئے۔ مگر یہ حقوق مسلمین کے مدعی یہی کہتے رہے کہ اب تو ڈاکٹر صاحب رات بہت آگئی۔ اب کل ہی پر رکھئے۔ لیجئے صاحب وہ دن اور آج کا دن پھر ڈاکٹر انصاری کے مکان کا رخ نہیں کیا۔ اگر آئے بھی تو یہی کہتے ہوئے آئے کہ جداگانہ انتخاب تو ڈاکٹر صاحب کچھ دنوں کے لئے اور رہنے دیجئے۔ جب ڈاکٹر صاحب ان سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے تمام اصول آپ کے لئے ترک کئے تھے۔ جب آپ اتفاق کیلئے تیار نہیں ہیں تو اب ہم اپنے اصول کو ترک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی لکھنؤ میں جو کچھ ہونا وہ ہوا۔ میں پھر ان مدعیانِ حقوق کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میری تردید کرو۔ بنا بنایا کام تو ان کمبختوں نے خود خراب کیا۔ خدا کی قسم یہ وہ چیز حاصل کر رہے تھے کہ اگر لاکھ بار بھی لندن جا کر حاصل کرینگے تو نہیں کر سکتے۔ خدا اس خود غرضی کا برا کرے۔ میں پوچھتا ہوں ان کے سامنے مسلم حقوق ہیں یا ان کے سامنے اپنی ذات ہے۔

گول میز کے نمائندے

مجھے ابھی کاظمی صاحب نے بتایا کہ گول میز کی اقلیت والی کمیٹی کے نامو

کا اعلان ہو گیا۔ علاوہ سابقہ حضرات کے شفیع داؤدی، علامہ اقبال اور مولانا شوکت علی صاحب کا نام نامی بھی آگیا۔ آخر سر فضل حسین کی کوٹھی پر جو سرگوشیاں ہوا کرتی تھیں وہ طشت از بام ہو گئیں۔ مسلمانوں کو مبارک ہو کہ اب ان کے حقوق کا کامل تحفظ ہو جائے گا۔ اور انگریزوں کو بھی مبارک ہو کہ ان کی حفاظت بھی اچھی طرح ہو جائیگی۔ بہر حال ان بزرگوں کو تو ان کی محنت کا ثمرہ مل گیا۔ مسلمان چولہے میں جائیں یا بھاڑ میں۔ دہلی میں ایک بزرگ ہیں وہ سول نافرمانی کی بڑی مخالفت کیا کرتے تھے، چماروں کے جلوس بھی نکلواتے تھے۔ بارہ بارہ آنے پہلوانوں کو دیکر سید عطار اللہ شاہ کی تقریر میں بھی گڑبڑ کراتے تھے، چنانچہ پہلے خانصاحب ہوئے، پھر خان بہادر ہوئے۔ اب میں نے سنا کہ آنریری مجسٹریٹ بھی ہو گئے تو میں نے کہا مبارک ہو آپ کو آپ کی جانفشانی کا ثمرہ مل گیا۔ ہندوستان کو سوراج ملا یا نہیں، تم تو خان بہادر ہو کر آنریری مجسٹریٹ ہو گئے۔ میاں محمد یعقوب سر ہو گئے۔ شفیع داؤدی اور علامہ اقبال کی نامزدگی ہو گئی۔ غرض مسلم قوم کے منافع کی خاصی اچھی خرید و فروخت ہو رہی ہے، پھر یہ سب کے سب مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان کے دل میں مسلمانوں کی سچی محبت، یہ مسلمانوں کے ہمدرد مسلم قوم کے ناخدا، اور ہم غدار، بے ایمان، ہندوؤں کے غلام، مسلمانوں کے دشمن قوم فروش۔ اللہ اللہ کیا زمانہ ہے، رب احکم بالحق و ربنا الرحمن المستعان علیٰ ما تصفون۔ اچھا بھائی سن لو، میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ مسلمان یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ کچھ دنوں کی بات ہے۔ اب مسلم قوم کو زیادہ عرصہ تک دھوکہ نہیں دے سکتے۔ تمہاری حکام پرستی اب آخری سانس لے رہی ہے

لنکا شائر اور مسلمان

میرے معزز دوستو! مسلمانوں کو ایک نئے فتنہ میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ آپ سنتے

ہوں گے کہ دس کروڑ روپیہ سے مسلمان ایک کمپنی قائم کر رہے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوگا کہ مسلمان جلاہوں، کا خون مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے کیا جائے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کپڑے کی صنعت میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں کا کپڑا دوسرے ممالک میں بڑی اچھی قیمت پر فروخت ہوا کرتا تھا۔ جب سے انگریزوں کا منحوس قدم اس ملک میں آیا ہے۔ اسی دن سے اس ملک کی صنعت اور تجارت کو تباہ کر دیا گیا۔ بنگال کے جلاہوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اور روئی کی کاشت کو جس طرح تباہ کیا گیا وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ برآمد پر ٹیکس بڑھائے گئے، اور درآمد کا نرخ کم کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری تجارت بیرونی ممالک سے بند ہو گئی، پھر رفتہ رفتہ دوسرے ذرائع سے خود اس ملک کے رہنے والوں کو انگلستان کے کپڑے کا محتاج کر دیا گیا۔ آج اس ملک کا مزدور بھوکا مر رہا ہے، اور انگلستان کے کتوں سے بھی روٹی نہیں کھائی جاتی۔ ملک میں عام طور سے بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ ملک اپنی صنعت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے وقت مسلمانوں کا یہ اقدام نہ صرف وطن کے ساتھ بلکہ خود مسلمانوں کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے۔ اگر کپڑے کی تجارت پر مسلمانوں نے قبضہ بھی کر لیا تو ملک کے چند آدمی ضرور سرمایہ دار ہو جائیں گے۔ لیکن عام مزدوروں پر اس کا کیا اثر پڑے۔ اگر ہندوؤں نے اپنا بائیکاٹ برابر جاری رکھا، اور وہ اپنی قوم کو دیسی کپڑا پہناتے اور دیسی ملوں کے کپڑے کو ترجیح دیتے رہے ادھر مسلمانوں کے صحیح الخیال طبقے نے بھی ولائتی کپڑے کا مقاطعہ کیا تو کیا یہ دس کروڑ کی کمپنی لنکا شائر کا پیٹ بھر دے گی۔ اگر واقعی تمہارے پاس دس کروڑ روپیہ ہے، اور سر آغا خاں بالقابہ مسلمانوں کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان میں دس کپڑے کے مل جاری کر دیئے جائیں

ارے بھلے آدمیو! تم کو سمجھ کب آئے گی جب کپڑے کی تجارت بہار پر تھی

تب تو تم سوتے رہے، جب ملک کی آنکھیں کھلیں اور بیرونی ممالک کے کپڑے کا بائیکاٹ شروع ہوا تو تم کو کپڑے کی تجارت سوجھی، اور اب بھی سچ پوچھو تو مسلمانوں کا مقصد تجارت نہیں ہے بلکہ انگریزوں کی ہمدردی میں جناب کی پسلی پھڑکی ہے، اور محض اسلئے یہ دس کروڑ روپیہ جمع کیا جارہا ہے کہ لنکا شائر کے جلاہے نقصان سے بچ جائیں، خواہ ہندوستان کے جلاہے تباہ ہوجائیں۔ اولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین ہ

انگریزوں کے مفلوج دوستو! تم اپنے کو تباہ کرکے بھی انگریز کا پیٹ نہیں پال سکتے جب تم انگریز کا پیٹ نہیں پال سکتے تو اپنے بھائیوں کو کیوں تباہ کرتے ہو۔

مسلمانو! ذرا عقل بھی کام لو، کیا تمکو اپنے نفع نقصان کی کچھ بھی سمجھ نہیں رہی، کیا انگریز کی محبت میں ایسے اندھے ہوے ہو کہ مسلمانوں کی ہمدردی بھی قلب سے جاتی رہی۔ الیس منکم رجل رشید۔

جمعیۃ علماء کا فارمولا

حضرات! دو دن کی محنت اور جانفشانی کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے اپنا فارمولا مرتب کرلیا ہے، کانگریس نے ملک کے سامنے ایک فارمولا پیش کیا تھا۔ ملک کی رائے دریافت کرنیکی غرض سے یہ فارمولا پیش کیا گیا تھا مختلف گوشوں سے اس پر رائے زنی ہورہی ہے، جمعیۃ علماء نے بھی ایک فارمولا پیش کیا ہے۔ کانگریس کے فارمولا پر جو اعتراض تھے اس کا بھی اظہار کردیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کانگریس سے اس پر بحث و مباحثہ کیا جائے۔ لیکن اب میں آپ سے کیا کہوں، یہاں بمبئی پہونچنے کیلئے کرایہ بھی نہیں ہے، آپ حضرات حقوق حقوق کا تو غل مچاتے ہیں، لیکن اپنی سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی خبر نہیں لیتے کہ ان پر کیا گذر رہی ہے۔ آج سال بھر سے زائد ہوگیا کہ جمعیۃ کے مکان کا کرایہ نہیں دیا جاسکا، روزانہ اخبار کے سلسلہ میں

جو قرضہ تھا دارالاب تک نہیں ادا ہوا۔ ایسوشی ایٹڈ پریس کا صبح تمام میں دعویٰ ہونے والا ہے۔ میں اپنی ذات کے لئے تو آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ لیکن اب تم یہ جانتے کہ دفتر کی ڈگریاں اور قرقیاں بھی میرے ہی نام آئیں۔ حکیم ذکی احمد کا ڈیڑھ ہزار روپیہ دینا ہے۔ مشین خریدی ہوئی ہے لیکن اس کے نصب کرنے کے لئے بھی روپیہ نہیں ہے۔ اب بتاؤ بمبئی جانے کی کیسی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں ایک پیسہ نہیں ہے۔ بہر حال یہ فارمولا آپ کے سامنے ہے۔ رائے ظاہر کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اگر ہندوؤں سے کوئی معاملہ طے کرنا ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ سر فضل حسین اور اُن سے سرگوشی کرنیوالے مسلمانوں کا طرزِ عمل ہے۔ تو یہ بات دوسری ہے۔ لیکن جہاں تک مسلم حقوق اور پنجاب بنگال کی اکثریت کا معاملہ ہے۔ وہاں تک اگر اس فارمولے پر ہندو بھائی راضی ہوجائیں تو معاملہ کر لیجئے۔ اگر ہندو فرقہ پرستی چھوڑ دیں تو آج نہایت آسانی سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔ میں اپنے سکھ بھائیوں سے بھی عرض کروں گا کہ انہیں مت کے لئے حقوق طلب کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثریت نہیں طلب کی جاتی۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ سکھوں کی نوکری کا خیال رکھا جائے۔ ملازمت اور وزارت کا خیال رکھا جائے لیکن یہ مطالبہ کہ مسلمانوں کی اکثریت پنجاب میں نہیں رکھی جائے گی۔ یہ مطالبہ انتہائی نامعقول اور فرقہ پرستی پر مبنی ہے۔ اور جو لوگ اس مطالبہ کی اشارتاً یا کنایتہً تائید کریں۔ وہ بھی انتہائی فرقہ پرست نامعقول ہیں۔ بہر حال میں مسلمانوں سے عرض کروں گا کہ آپ ابھی خاموش رہئے۔ ہندوؤں کو بولنے دیجئے جو لوگ کانگریس سے معاملہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وہ اس فارمولے کی بھی مخالفت کریں گے۔ لیکن آپ اُن کی طرف کوئی توجہ نہ کیجئے۔ میں آپ سے بارہا کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ لوگ تو آپ کے لئے سائمن رپورٹ لا رہے ہیں۔ اور دیکھ لیجئے گا۔

کہ اُسی رپورٹ کو آپ کے حلق سے اتارنے کی کوشش کریں گے۔

مظلومین کشمیر

حضرات! کشمیری مظالم روز بروز ترقی پر ہیں۔ ابھی تک کشمیر کے مسلمانوں کی امداد کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ مرزا محمود نے شملے میں ایک آل انڈیا کمیٹی مرتب کی ہے۔ جہاں تک قادیانی جماعت کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان اس کمیٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ مذہبی حیثیت سے تو یہ جماعت کسی طرح مسلمان کہلانے کی بھی مستحق نہیں ہے۔ لیکن میں تو عرض کرتا ہوں کہ یہ اس حیثیت سے بھی یہ جماعت سخت خطرناک ہے۔ اس جماعت کے بانی مرزا غلام احمد سے تمام مسلمان اچھی طرح واقف ہیں۔ مرزا محمود کے واقعات بھی سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔ مجھے تو یہی تعجب ہے کہ لوگ اس معاملے میں سامنے کس طرح آ گئے۔ ان کو تو کشمیر پر انگریزوں کا قبضہ کرانا مقصود ہے یا کشمیر کے مسلمانوں کو قادیانی بنانا ان کا مقصد ہے۔ یہ جماعت اس قسم کے مواقع تلاش کرتی رہتی ہے کہ کسی طرح اس کو مسلمانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل جائے۔ جہاں تک کشمیر کے مسلمانوں کی اعانت و امداد کا معاملہ ہے وہ نہایت ضروری فریضہ ہے لیکن جہاں تک قادیانی جماعت کا تعلق ہے۔ یہ معاملہ سخت خطرناک ہے۔ ایک طرف تو یہ انگریزوں کی اطاعت کو ضروری بتاتے ہیں۔ غلام احمد نے انگریزی حکومت کی وفاداری میں الماریاں بھر دی ہیں۔ اور دوسری طرف یہ مہاراجہ کشمیر کے مظلومین کی حمایت کرتے ہیں اگر حقوق طلب کرنیوالوں کے خلاف قوت کا استعمال ناجائز اور ظلم ہے۔ تو پشاور کے مسلمانوں کو جس حکومت نے گولیوں کا نشانہ بنایا، اس حکومت سے بھی یہ لوگ لڑنے کو تیار ہیں یا نہیں۔ ان کے نزدیک تو ہندو اور انگریز دونوں اہل کتاب ہیں۔

ایک مسیح علیہ السلام کو مانتے ہیں اور ایک کرشن علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو جوان کے اوتار پر ایمان نہ لائیں، یہ لوگ کافر کہتے ہیں۔ آخر ان کو کافروں کے قتل پر رحم کس طرح آ گیا۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات کو یہ خیال ہو کہ یہ کام کس کے سپرد کیا جائے تو میں عرض کروں گا کہ اگر کوئی آل انڈیا جماعت بھی مسلمانوں کے لیئے قابل اعتماد نہیں ہے تو کشمیری جماعت کے سپرد کر دیا جائے۔ آخر ہر سال کشمیری کانفرنس ہوا کرتی ہے۔ وہی کانفرنس اس کام کو کیوں نہیں کرتی۔ سب سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ کشمیر کے معاملہ کو کشمیریوں ہی کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اگر کشمیری تیار نہ ہوں تو پھر کوئی آل انڈیا جماعت بناؤ۔ آخر تو آل انڈیا جماعتیں بنانے کے مسلمان عادی ہو گئے ہیں۔ بہر حال کچھ بھی کرو۔ لیکن ایک فتنے کا علاج دوسرے فتنے سے نہ کراؤ۔

ہندوؤں کی ذہنیت

مجھے تعجب ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کے معاملہ کو ہندو مسلم سوال کیوں بنایا جا رہا ہے۔ اگرچہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ بعض غیر ذمہ دار حضرات نے اس مسئلہ میں غیر ذمہ دارانہ خیالات کا اظہار کیا ہے بعض اخبارات نے بھی اشتعال انگیز مضامین لکھے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندو اسلامی ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈا شروع کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ذمہ دار لوگوں نے اس امر کی تشریح کی ہے کہ ہم مہاراجہ کو معزول کرانا نہیں چاہتے۔ بلکہ مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ہیں۔ اُن کی آزاد تحقیقات اور اُن کا انسداد مطلوب ہے۔ میں ہندوؤں سے صرف ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جا رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر صحیح ہے تب ہندوؤں کو چراغ پا ہونے کی

ضرورت نہیں بلکہ جس طرح کانگریس برٹش انڈیا میں مظلوموں کی حمایت کرتی ہے، اسی طرح ہندوؤں کو کشمیر کے مظلوموں کی بھی اعانت کرنی چاہیئے۔ یہ کونسی انسانیت ہے کہ بجائے اسکے کہ رعایا کے حقوق کی حفاظت کی جائے مظلوم کی حمایت کی جائے ستم راجہ کی معاونت کرو۔ اور دوسری ریاستوں سے انتقام کی کوشش کرو۔ اگر برٹش گورنمنٹ لاٹھی چارج اور گولی چارج کی وجہ سے قابل ملامت ہے تو مہاراجہ ان حرکتوں کے باعث اُس سے زیادہ قابلِ ملامت ہے۔ کیونکہ وہ ہندوستانی ہیں اور انگریز بدیشی ہیں۔ میرے خیال میں اگر کانگریس کے خلاف گورنمنٹ کو سختی اور باغیوں کو سخت سزائیں دینے والے ذلیل اور کمینے ہیں۔ تو مہاراجہ کشمیر سے مسلمانوں کی سخت سزاؤں کا مطالبہ کرنے والے اُن سے زیادہ ذلیل اور کمینہ ہیں۔ لیکن جو مظالم بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہیں تو پھر آزاد تحقیقات کا مطالبہ ہندوؤں کو بھی کرنا چاہیئے تاکہ تمام شبہات دور ہو جائیں۔ ہندوؤں نے اس موقع پر جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی معقول اور سمجھدار آدمی اُسکی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بمبئی کا جنجال

حضرات میں جانتا ہوں کہ آپ یقیناً شاہ عطاء اللہ کی تقریر کا انتظار کر رہے ہونگے لیکن میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا، صرف ایک بات اور عرض کر دوں، ابھی کاظمی صاحب نے ابھی بتایا ہے کہ مسلمانوں کے ایک مجمع پر بدمعاشوں سے حملہ کرا دیا گیا۔ اور حکیم عبدالجلیل کو سخت زخم آئے بمبئی کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے۔ بمبئی باب الہند ہے اسکے لئے یہ نہایت ہی شرمناک چیز ہے۔

انگریز اب تک تو ہندو مسلمانوں کو لڑا کر حکومت کرتا تھا۔ اب مسلمانوں کو

مسلمانوں سے لڑا کر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ آخر بمبئی کی پولیس کہاں گئی تھی۔ اس سے بیشتر دو قتل ہوئے۔ لیکن پولیس نے ابتک کسی کو گرفتار نہیں کیا۔ یہ معاملہ صاف طور پر پولیس کی مداخلت کا معاملہ تھا۔ لیکن پولیس جب پہنچی کہ جب مجرم چلے گئے۔

حضرات! جن خفیہ ہاتھوں کے ذریعہ گورنمنٹ یہ کھیل کھیل رہی ہے۔ وہ ہاتھ بھی ہمارے علم میں ہیں کہ دلائل سے عاری ہو کر اب ہمارے مخالف ان اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں۔ لیکن یہ اوچھے ہتھیار بھی کوئی دن کے مہمان ہیں۔ جب ظلم و عدوان کی حکومت ہی دائمی نہیں ہے تو اس کے حمائتی بھی خوش نہ ہوں بلکہ سُن لیں کہ وہ بھی چند دنوں کے مہمان ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ○ آخر میں میں پھر آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اب آپ جانیں اور حضرت شاہ صاحب

۲۸ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

عارضی صلح

اور

تحفظِ حقوق المسلمین

معزز حاضرین! میں اس سے پیشتر کہ اپنے خیالات کا اظہار کروں، دو باتیں ضروری طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں، سب سے پہلے میں ہندوستان کی دو جلیل القدر ہستیوں کے جدا ہو جانے پر اپنے قلبی رنج و غم کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، ہندوستان جس پہلے ہی بد قسمتی سے قحط الرجال ہے۔ اس غلام ملک میں اوّل تو صحیح لیڈر کا پیدا ہونا ہی مشکل ہے۔ پھر اگر کوئی خوش قسمتی سے سالہا سال کی خدمت اور تجربہ کے بعد صحیح آدمی پیدا بھی ہوتا ہے تو قضاو قدر کے خاموش ہاتھ اس کو ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیتے ہیں۔ غالباً آپ میری مراد سمجھ گئے ہونگے، ان دونوں ہستیوں سے میری مراد رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب اور پنڈت موتی لال نہرو ہیں۔

حضرات! مولانا محمد علی مرحوم نے ملک وملت کی جو خدمات انجام دی ہیں، ان کا اعتراف نہ کرنا سخت ناسپاسی ہوگی۔ مرحوم کی ہستی نہ صرف مسلمانان ہند کے لئے موجب فخر تھی بلکہ وہ عالم اسلامی کے لئے مایۂ ناز تھی، آخر زمانے میں

جو اختلاف مرحوم اور ان کے قدیمی رفقاء کے مابین ہو گیا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ اس سب کا کفارہ مرحوم کی وہ تقریر تھی جو اس نے باوجود علالت طبع کے لنڈن میں دلیرانہ طور پر کی، اور تمام نمائندوں کو یہ بتا دیا کہ میں غلام ملک میں واپس نہ جاؤنگا، یا آزادی لیکر واپس ہونگا یا مر جاؤنگا۔ ان الفاظ نے اس کے دشمنوں کو بھی ساکت و صامت کر دیا۔ چہ جائیکہ دوست اور دوستوں کا دوستانہ اختلاف، بھلا ان الہامی الفاظ کے بعد کون بد قسمت ہو گا۔ جو مولانا محمد علی کی نیت پر شبہ کر سکے۔

میرے دوستو! جس طرح محمد علی کی وفات نے ملک کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے، اسی طرح پنڈت موتی لال نہرو کی موت نے بھی ایک ایسے تجربہ کار اور سیاست داں کو ہم سے چھین لیا ہے، جس کا جواب مستقبل قریب میں پیدا ہوتا نہیں معلوم ہوتا۔ موتی لال آنجہانی اور اُن کے خاندان نے ایثار و قربانی کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ قابل رشک ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس خاندان میں بعض وہ افراد بھی تھے جن کے کپڑے یوروپ سے دھل کر آیا کرتے تھے۔ لیکن ملک کی سیوا اور وطن کی آزادی کے لئے نہرو کے خاندان نے اُن تمام تکلفات کو خاک میں ملا دیا۔ خود موتی لال جی کی خوش پوشاکی خوش خوراکی ضرب المثل تھی۔ آخر عمر میں جبکہ علم طور سے دولت اور مایہ کی محبت ہوتی تو انند بھون جیسی بیش قیمت عمارت کو قوم کے قدموں پر قربان کر دینا کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ پنڈت جی کی یہ وہ بیش بہا قربانی ہے جو ہمیشہ آیندہ نسلوں میں بطور فخر یادگار رہے گی۔ ان دونوں ہستیوں پر اپنے چند مخلصانہ آنسو بہانے کے بعد دوسری بات جو عرض کرنے والا ہوں وہ صرف اسقدر ہے کہ جس صلح کا تمام دُنیا میں انتظار کیا جا رہا تھا وہ عارضی صلح کل مکمل ہو چکی ہے۔ آپ کل کے اخبارات میں گاندھی جی اور لارڈ ارون کے مفصل بیانات پڑھ لیں گے، اور شاید کل ہی آپ اُن قیدیوں

سے بھی بغلگیر ہوں گے، جو اس وقت جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

صلح کے متعلق اظہارِ خیال

حضرات! برطانوی حکومت میں یہ پہلا موقع ہے کہ غلام ہندوستان کے ایک باشندے نے نائب السلطنت کے ساتھ عارضی صلحنامہ پر مساویانہ دستخط کئے ہیں، بھلا کہاں انگریزوں کی مغرور حکومت اور کہاں بے دست و پا ہندوستانی؟ جس سلطنت میں آج تک کالے گورے کا امتیاز باقی ہو اس سلطنت کے ہندوستانی باشندے کا یہ مساویانہ اعزاز ہندوستان کیلئے صد بار فخر ہے۔

میرے عزیزو! ہم کو اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ فریقین میں فتح مندی کس کو ہوا اور شکست کس کو ہوئی، بلکہ ہمیں وائسرائے اور گاندھی جی دونوں کی نیک نیتی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ اگر یہ دونوں نیک نیتی کے ساتھ کوشش نہ کرتے تو یقیناً صلح مشکل ہوتی۔ صلح ایک اچھی چیز ہے۔ اگر گاندھی جی نے دب کر صلح کی تو اُنہوں نے ایک اچھا فعل کیا اور اگر حکومت نے جُھک کر صلح کی تو حکومت کا یہ فعل قابل تعریف ہے۔ فریقین میں سے جس نے بھی صلح کا ہاتھ بڑھایا اور صلح کرنے میں اپنی جگہ سے ہٹا، اُس نے ایک مستحسن اقدام کیا جو کسی طرح بھی قابل مذمت نہیں ہے۔

مجھے اُن لوگوں کی ذہنیت پر افسوس ہے جو آج کانگریس کی شکست کا ڈھول پیٹ رہے ہیں، اور یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ گاندھی جی نے دب کر صلح کر لی۔ اگر واقعی ان ملت فروشوں اور قومی غداروں کو اس کا احساس ہے تو ان سے کہو کہ یہ تمہاری قوم فروشی کا نتیجہ ہے۔ اگر تم کانگریس سے علیحدہ ہو کر انگریزوں کے ساتھ نہ ہو جاتے اور اپنے ملک کے ساتھ غداری نہ کرتے تو صلح

اس سے زیادہ کراری ہو سکتی تھی۔ مجھے تعجب ہے کہ اب یہ غدار اپنی غداری کو گاندھی جی کے دامنوں میں چھپانا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی ان کی خواہش یہ تھی کہ گاندھی جی کے تمام مطالبات بلفظہٖ مان لئے جاتے تو یہ خود ان ہندو مسلمانوں کے طرز عمل پر موقوف تھا، جو ابتدائے تحریک سے اب تک گاندھی اور ان کے رفقاء کار کا مذاق اڑاتے رہے۔ جنہوں نے معزز خواتین کا مذاق اڑایا، جنہوں نے کانگریس کی ضد میں بدیشی کپڑے کو فروغ دیا۔ جنہوں نے نعرۂ تکبیر لگا کر شراب بیچی اور جو خوشامد کرنے والے رضا کاروں کے سینے پر سے جوتے پہن کر گزر گئے، آج بھی ان حرماں نصیبوں کا یہی طرز عمل ہے کہ اب اپنی روسیاہی کو عارضی صلح کا مذاق اڑا کر دور کرنا چاہتے ہیں۔

بہر حال میرے دوستو! یہ وقت اس بحث کا نہیں ہے کہ ہم فتح و شکست پر اپنا وقت ضائع کریں بلکہ ہم کو چاہیئے کہ ایمانداری کے ساتھ فریقین کی نیک نیتی کا اعتراف کریں۔ اگر صلح میں تاخیر ہوتی تو یقیناً ملک میں مزید ابتری پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ صلح ہو گئی، اور ہمارے فوجی سپاہیوں کو دم لینے کا موقع مل گیا۔ اس موقع سے ہم کو فائدہ اٹھا کر پوری طرح آرام حاصل کرنا چاہیئے تاکہ خدا نخواستہ اگر آئندہ شملہ کی گول میز کانفرنس میں ہمارا مطالبہ منظور نہ ہو، تو دوبارہ میدان جنگ میں ہمارے سپاہی تازہ دم ہو کر شریک ہو سکیں۔ عارضی صلح کے بعد جو جنگ ہو گی وہ اس سے زیادہ ہو گی، یہ نہ سمجھئے کہ ہمارا کام ختم ہو گیا۔ جتنا معاملہ والسرائے کی نیک نیتی کے ساتھ تعلق رکھتا تھا وہ ختم ہو گیا۔ اور جس قدر معاملہ زیر بحث اور وزیر اعظم کی نیک نیتی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ باقی ہے۔ اگر وزیر اعظم نے اپنی نیک نیتی کا ثبوت نہ دیا تو ہم پھر حکومت کے ساتھ نبرد آزما ہوں گے۔ اور ہم کو اس خدا پر کامل بھروسہ ہے جو ہمیشہ مظلوم کی حمایت کیا کرتا ہے کہ آخر میں فاتح ہندوستان

ہی کی ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان مظلوم ہے، محتاج ہے، بھوکا ہے، اور مفلس و بے کار ہے۔

ہندوستانی صنعت اور سودیشی اشیاء کی ترقی

میرے معزز دوستو! عارضی صلحنامہ میں یہ شرط ہے کہ برٹش مال کے بائیکاٹ سے احتراز کیا جائے گا لیکن سودیشی کو بدیشی پر ترجیح دینے کا حق حاصل ہوگا۔ اس لیئے میں برٹش گڈس کے متعلق کوئی لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ اور عارضی صلحنامہ کا احترام کرتا ہوں جو لارڈ اروِن اور گاندھی جی کے مابین ۵ مارچ کو مکمل ہوچکا ہے۔ البتہ اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یورپ کے مال پر ہندوستان کے مال کو جو قیمت اور برتری ہر اعتبار سے حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ شاید ہی کوئی سمجھدار اس سے انکار کر سکتا ہے۔ میں آپ ہی سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مُراد آبادی برتن دُنیا کے ہر حصّے میں جاتے ہیں۔ ان برتنوں کی وجہ سے آج مُراد آباد میں ہزاروں مزدوروں کا پیٹ پل رہا ہے۔ لیکن میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ برتن امریکہ یا جرمن سے بن کر آنے لگیں، اور ہندوستان اِن برتنوں کو خریدنے لگے تو اس کا اثر مُرادآباد کے مزدوروں پر پڑے گا یا نہیں (آوازیں آئیں بیشک پڑے گا) تو بھائیوں جس طرح مرادآبادی برتن والوں کو نقصان پہونچے گا، اسی طرح جب کسی دوسری منڈی کا مال تمہارے ہاں آنے لگے گا تو تمہارا کاریگر بیکار ہو جائے گا۔ یہی حالت کپڑے کی ہے۔ جب دوسرے ملک کا کپڑا تمہارے ملک میں آکر فروخت ہوگا تو تمہارے مزدور بیکار ہو کر بھوک کے مرنے لگیں گے یہی مرادآبادی برتن اگر دہلی والے بنا کر بھیجنے لگیں تو کیا مرادآباد کے لوگوں کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اس مال

کے روکنے کی کوشش کریں جس طرح مراد آباد کے لوگوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسرے شہر کے برتنوں کو اپنے شہر میں آنے سے روکیں اسی طرح ہم کو بھی یہ حق ہے کہ ہم بدیشی کپڑے کو اپنے ملک میں آنے سے روکیں۔

میرے بھائی! یہ کس قدر ظلم ہے کہ روئی ہمارے ملک میں پیدا ہو، امریکہ اور یورپ کے سوداگر ہم سے ایک روپیہ کی دو سیر روئی خریدلیں اور اسی روپیہ کی دو سیر والی روئی کا لٹھا ململ بنا کر ہمارے ہاتھ فروخت کریں۔ جب ہم ایک روپیہ کی ململ اور تن زیب کا وزن کریں تو مشکل سے چھٹانک بھر نہ ہو۔

میرے عزیزو! خدا کے واسطے غور کرو کہ بیچتے وقت تو روپیہ کی دو سیر روئی اور خریدتے وقت روپیہ کی چھٹانک بھر ململ، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیز ہندوستان نے روپیہ کی فروخت کی تھی وہی چیز بتیس روپیہ کی یورپ سے دوبارہ خریدلی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس طرح ہندوستان کس طرح پنپ سکتا ہے۔ کیا یہ ایسی مشکل بات ہے کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اب اگر آپ سے ہاتھ جوڑ کر کوئی شخص درخواست کرے کہ خدا کے واسطے اپنے ملک کا کپڑا پہنو، باہر کا کپڑا ترک کردو، تاکہ تمہارے ملک کو فائدہ ہو، تو تم برا مانتے ہو۔ آخر ہم تمہارے دشمن تو نہیں ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ انگریزی حکومت سے بیشتر ہندوستان میں کپڑے کی کس قدر زبردست تجارت ہوتی تھی۔ لیکن یہ حکومت برطانیہ کی برکت ہے کہ آج ہمارے ملک کا مزدور فاقے کررہا ہے۔ خدا جانے کتنے گھر ایسے ہیں جہاں دو وقت میں ایک وقت کھانا مشکل سے میسر آتا ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں انسان فاقوں سے مرجائیں، اور یورپ کے مزدوروں کے پاس اتنا کھانا ہو کہ اُسکے کتوں سے بھی نہ کھایا جائے۔ یورپ کے کتوں کو پیٹ بھر کے روٹی ملے، اور غریب ہندوستان کے لاکھوں جولاہے پیٹ سے پتھر باندھنے کو

کو پتھر ڈھونڈھتے پھریں۔

میرے دوستو! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب ہندوستان کا کپڑا باہر جایا کرتا تھا۔ تو ہندوستانی تجارت کو تباہ کرنے کے لئے کیا کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ ہمارے مال پر اوّل تو اس قدر چنگی بڑھا دی گئی کہ ہم انگلستان کی منڈی کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ پھر یہ غضب کیا گیا کہ روئی کی کاشت پر مختلف پابندیاں عائد کی گئیں، اور آخر میں تو یہاں تک ہو گیا کہ ہندوستان کے مزدور اور جلاہوں کے ہاتھ شل کر دیئے گئے، اس طرح ہندوستان کے کپڑے اور یہاں کی صنعت کو تباہ کر دیا گیا اور وہ ملک جو تمام دُنیا کو کپڑا پہونچاتا تھا۔ آج خود اپنا تن ڈھانکنے کے لئے دوسروں کا محتاج ہے۔ یہ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ جس ملک میں تیس کروڑ باشندے آباد ہوں وہ بدقسمت ملک اپنا جسم نہیں چھپا سکتا، میں مسلمانوں سے دریافت کرتا ہوں کہ اتنی صاف بات بھی تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر اپنے ملک کی روئی کو خود استعمال کرو گے تو تمہارے ملک کو کروڑوں روپیہ کا فائدہ ہوگا۔ تم نے دیسی کپڑے کو بھی ہندو مسلم سوال بنا دیا ہے۔ جب کبھی دیسی کپڑے کی ترغیب دی جاتی ہے تو کہتے ہو کیا ہم ہندو ہیں۔ آج تک ہندو مسلمان میں چوٹی اور ڈاڑھی کا فرق تھا۔ اب گاڑھے اور ململ کا فرق بھی ہو گیا۔ گویا جو گاڑھا پہنے وہ ہندو اور جو ولایتی کپڑا پہنے، ولایتی بیچے رضا کاروں کو گرفتار کرائے، ہندوؤں کی معزز خواتین کو جیل بھجوائے وہ مسلمان، سبحان اللہ کیا مسلمان ہیں۔ ہندوؤں کے مال پر مہریں لگیں، اور کروڑوں روپیہ کا مال بند کر کے رکھ دیا جائے تو آپ صاحبان اس بدبختی کپڑے کو چوری چوری خرید کر ہندوؤں کی تمام رقمیں ہری کرائیں، ہندوؤں کو پکٹنگ سے جو نقصان پہنچنے والا تھا اس نقصان سے ہندوؤں کو محفوظ کر دیں۔ تمام ملک کی بدنامی اپنے ذمّہ لیں، ہندوؤں کو کروڑوں روپیہ

فائدہ پہونچائیں۔ پھر آپ ہندوؤں کے دشمن اور ہم ہندوؤں کے غمخوار۔
ظالمو! تمہیں خدا کا خوف بھی نہیں ہوتا۔ تم کو ہندوؤں سے انتقام لینا بھی نہیں آتا۔ تم ہی بتاؤ اگر تم اس موقع پر کپڑا نہ خریدتے تو ہندوؤں کو کتنا نقصان ہوتا۔ اُن کے دیوالے نکل جاتے۔ لیکن تم نے مسلمانوں کے گلے کٹوا کر، ہندوؤں کی جیبیں بھر دیں، اور پھر تم ایماندار کے ایماندار اور ہم بے ایمان۔ تم نے اس جنگ میں ایک طرف تو انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کئے اور دوسری طرف ہندوؤں کو اُن کا مال خرید کر مالی نفع پہونچایا، تم کو نہ تو انگریزوں کی امداد ہی کرنیکا طریقہ آتا ہے، اور نہ ہندوؤں سے انتقام لینے کا ڈھنگ ہی آتا ہے ہاں گالیاں دینے کے بہت بڑے مشاق ہو۔ بدون سوچے سمجھے ہر ایک کو برا بھلا کہنا آتا۔
میں دریافت کرتا ہوں بتاؤ بدیشی مال کو ترک کرنے میں تمہیں کیوں موت آتی ہے۔
شاید تمہارے مراد آباد میں بھی گوٹے ٹھپے کا کام ہوتا ہوگا۔ ہماری دہلی میں ہزاروں مسلمان اس گوٹے ٹھپے کے کام سے بہترین زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔ خود ہمارے گھرانے میں ۵۷ء کی تباہی کے بعد تارکشی کا کام ہوتا تھا۔ میرے دادا کے سگے بھائی نے غدر کے بعد دہلی میں تارکشی کا کارخانہ کیا تھا۔ میرے والد نے بھی اپنے چچا کے پاس یہی کام سیکھا تھا۔ میں بھی بچپنے میں اپنے والد کے ساتھ تارکشی کیا کرتا تھا۔ اور خاصی اچھی گذر ہوا کرتی تھی۔ ہمارے خاندان کے علاوہ دہلی کے دوسرے گھرانے بھی تارکشی، دبکئی، بٹئی سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ لیکن جب سے گوٹہ، ٹھپہ، بیمک وغیرہ کا تمام مال سورت سے آنے لگا ہے وہ تمام کارخانے بند ہو گئے ہیں۔ میں نے تو اپنے والد کے انتقال کے بعد ہی یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ۱۹۲۳ء تک بھی دہلی میں چند کارخانے تارکشی اور دبکئی وغیرہ کے موجود تھے، لیکن سورت کے مال نے ان تمام کاریگروں کو بیکار کر دیا۔ اور آج دہلی کے وہ شرفا، جو چاندی کا

کام کرکے اپنا پیٹ پال رہے تھے بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ غریب اتنا ضرور جانتے ہیں کہ سورت کی منڈی اور روسی کلابتوں نے ان کو بیکار کیا ہے۔ اسی واسطے ان میں سے بعض جاہل سورت کی منڈی کو کوستے ہیں۔ میں نے خود سنا ہے، کہا کرتے ہیں سورت والوں کو خدا کی مار جب سے انہوں نے مال بنا کر بھیجنا شروع کیا ہے ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو گئے ہیں۔

میرے عزیزو! جس طرح سورت کے مال نے دہلی، مراد آباد، لکھنؤ، اور امرتسر کے کاریگروں کو محتاج و مفلس کر دیا ہے، اسی طرح یورپ کے مال نے ہندوستان کے کروڑوں آدمیوں کو محتاج و مفلس کر دیا ہے۔ اگر سورت کے مال سے دہلی اور دیگر شہروں کے مزدوروں کو نقصان پہونچا ہے۔ تو اسی نقصان کو اور وسیع کرکے دیکھو کہ یورپ کے مال سے تمام ہندوستان کو کس قدر نقصان پہونچ رہا ہے۔ یورپ کا مال دو ہی طرح روکا جا سکتا ہے، یا تو ساحل پر اتنے اختیارات ہو جائیں کہ ہم بدیشی مال پر جسقدر چاہیں ٹیکس لگا سکیں، کیونکہ ایک زمانہ میں ہمارے مال پر بھی ٹیکس لگا کر مہنگا کیا گیا تھا، اسی طرح ہم بھی اسقدر ٹیکس لگا دیں کہ ہندوستان میں یورپ کا مال فروخت ہونا ناممکن ہو جائے، لیکن اگر ساحل پر ہمارے اختیارات نہ ہوں تو پھر پکٹنگ کا احترام کرو تاکہ ہم طاقت سے نہیں بلکہ خوشامد سے مال کو روک سکیں۔

صاحبو! شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ میں ہندوستان سے بنگلے کے پر انگلستان جایا کرتے تھے، انگلستان کی خواتین ان پروں کو اپنے لباس کی زیبائش کے لیے استعمال کیا کرتی تھیں۔ ان پروں کی تجارت سے ایک معتدبہ مقدار روپیہ کی انگلستان سے ہندوستان آجایا کرتی تھی۔ لارڈ کرزن نے جب دیکھا کہ میری قوم کا روپیہ ہندوستان میں آرہا ہے تو اُس نے ہندوستان میں قانون کے ذریعہ بگلے کا شکار بند کر دیا۔ لوگوں نے پروں کی تجارت کے باعث بگلے

پالنے شروع کر دیئے۔ جب لارڈ کرزن نے دیکھا کہ اس طرح بھی میرے ملک کا روپیہ ہندوستان میں آنا بند نہیں ہوتا تو انہوں نے قانوناً ممانعت کردی۔ اور بگلے کا فروخت کرنا ہی بند کر دیا۔ اور بگلے کے پروں کو انگلستان پہنچنا ہی جرم قرار دیدیا۔ آپ نے دیکھا دُنیا کی سمجھدار قومیں کس طرح اپنے ملک اور اپنی قوم کا روپیہ بچاتی ہیں۔ ایک تم ہو کہ رضاکاروں کو جیل بھجواتے ہو، عورتوں کو گرفتار کراتے ہو، اور یہ سب کچھ کس لئے کرتے ہو محض اسلیئے کہ اپنے ملک کے بھوکوں کا پیٹ کاٹ کر ایسے لوگوں کی پرورش کرو جن کا وجود عالم اسلامی کے لیے سخت مضر ثابت ہو رہا ہے۔

میرے عزیزو! میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں اگر تم آج حکومتِ برطانیہ کو اس ملک میں اتنا کمزور کردو کہ یہ حکومت یہاں کی فوج اور روپیہ کو بدون تمہاری اجازت کے استعمال نہ کرسکے، خواہ مکمل آزادی نہ بھی حاصل ہو۔ صرف اتنا ہی ہو جائے کہ روپیہ اور فوج ہماری مرضی کے خلاف استعمال نہ کی جاسکے تو یہ بھی دُنیائے اسلام پر تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا۔ عالم اسلامی کا بچہ بچہ تم کو دُعا دے گا۔ جو کچھ میں نے کہا کچھ سمجھے بھی؟ الیس منکم رجل رشید۔

مراد آباد میں گولی چلنے کا واقعہ

میرے معزز دوستو اب مجھے معاف کرنا میں خدا جانے کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا۔ آج جس میدان میں میں آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں۔ یہ وہ میدان ہے۔ جہاں گزشتہ دنوں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ خون بہہ چکا ہے۔ اس میدان کے ذرّوں کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے متحدہ خون میں غسل کیا ہے۔ میں اس وقت اُس گذشتہ ہنگامہ کے متعلق کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ پولیس کے بعض افراد سے کسی نے دریافت کیا کہ تم نے اس موقع پر خوب رقمیں کھائیں تو اس نے جواب میں کہا کہ گالیاں بھی تو

ہمیں نے کھائیں تھیں۔

تشدّد کی مذمّت

ہاں مجھے اس پر ضرور افسوس ہے کہ پولیس کی غیر ذمہ دارانہ حرکت سے یہاں کا کام سست پڑ گیا میں نے آپ کو اس لئے ہمیشہ تشدّد سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ چند اینٹیں اور چند گملے پھینک دینے کا نتیجہ آپ نے دیکھا کہ یہاں کی پولیس کو دل کھول کر مظالم کا موقع مل گیا۔ اور نہ معلوم کتنے بے گناہوں کو بلا وجہ گرفتار کر لیا گیا۔ اگر آپ تشدّد نہ کرتے تو آپ کا کام جس خوبی سے چل رہا تھا۔ اسی طرح چلتا رہتا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ابتدا میں آپ کے ضلع کا کلکٹر بڑا نیک نام تھا۔ عام طور سے لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ کلکٹر گرفتاری نہیں کرتا۔ لیکن آپ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا ہیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے پاس طاقت کی کچھ کمی نہیں ہے۔ اس کو تو عدم تشدّد ہی نے مجبور کر دیا۔ عدم تشدّد کے ساتھ سول نافرمانی کوئی معمولی بات ہے۔ یہ ایسی بری بلا ہے کہ مضبوط سے مضبوط حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے خود تم اپنی تاریخ کو یاد کرو۔ اسپین کی سات سو سالہ حکومت اس سول نافرمانی کی بدولت تباشہ کی طرح بیٹھ گئی۔ یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسپین کی سینکڑوں مسجدیں، آج گرجا بنی ہوئی ہیں۔ بہت سی مسجدوں میں آج گھوڑے بندھتے ہیں، یہاں تو ابھی جیلخانہ ہے۔ لیکن اسپین میں تو قتل تک کی سزائیں دی گئیں۔ پولا جیس کے رضاکاروں نے قتل ہونا گوارا کیا۔ لیکن سول نافرمانی بند نہ کی، اور آخر مسلمانوں کی سلطنت کو تباہ کر کے چھوڑا۔ تم انقلاب سے ڈرتے ہو۔ لیکن سینکڑوں انقلاب تو خود تمہارے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ جن انقلاب کی صدائیں تم گوشے گوشے سے سُن رہے ہو وہ قدرت کی آواز ہے۔ قدرت اپنے قانون کو پورا کرنا چاہتی ہے، وہ قانون

کسی کے روکے سے رکنے والا نہیں ہے۔ میں نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمان بالکل کانگریس سے علیحدہ ہو کر صرف انگریزوں کا ساتھ دیں تب بھی وہ انگریزوں کو روک نہیں سکتے۔ تم اپنے ملک کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں کی حکومت کی تھوڑی سی عمر بڑھا سکتے ہو۔ لیکن انگریزوں کو اس ملک میں روک نہیں سکتے۔ تم انگریز کا سہارا ڈھونڈ رہے ہو۔ اور انگریز تمہاری آڑ میں اپنا مطلب نکال رہا ہے۔ لیکن صاف طور پر سُن لو، نہ انگریز تمہارے کام آسکتا ہے، اور نہ تم انگریز کے کام آسکتے ہو معاملہ تو ہندو مسلمانوں ہی کا طے ہو سکتا ہے۔

میرے بھائیو! انگریز تو چار دن سے ہمارے ملک میں آیا ہے۔ آخر نو سو برس سے اس ملک میں ہندو مسلمان زندگی بسر کرتے تھے یا نہیں؟ آج انگریز کو دیکھ کر ہر ایک کی آنکھیں پھٹ گئی ہیں۔ جو ذہنیت اس وقت نظر آرہی ہے۔ وہ محض انگریزوں کے قدم کی برکت ہے۔ جب انگریز نہ ہوں گے تو پھر ذہنیت تبدیل ہو جائے گی۔ ذہنیت کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ جو تم کر رہے ہو۔ تم تو مذہبی تعصب کے ساتھ ساتھ سیاسی تعصب کا بیج بھی بو رہے ہو۔ یہ تو توقع کی جاتی تھی کہ نوجوانوں میں مذہبی تعصب کم ہو گا۔ لیکن تم نے ایک نئی دشمنی کی بنیاد ڈال دی جو اس مذہبی دشمنی سے زیادہ سخت ہو گی۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ تشدد اس ملک میں کامیاب نہ ہو گا۔ اگر بدون تشدد کے تمہارا کام چل سکتا ہے، تو تم تشدد کی فکر کیوں کرتے ہو۔ حکومت اگر خود تشدد کا اقدام کرے تو ہمارے لئے مفید ہے۔ لیکن تم خود تشدد کی دعوت نہ دو حکومت جس قدر تشدد کرتی جائے گی۔ اتنا ہی ہم مضبوط ہوتے جائیں گے۔
دیکھو پہلے دُنیا جیل خانوں سے ڈرتی تھی۔ ابتداء میں گورنمنٹ نے جیلخانے بھرنے شروع کئے آہستہ آہستہ جیل کا ڈر لوگوں کے دل سے نکل گیا۔ پھر گورنمنٹ نے لاٹھیاں چلانی شروع کیں۔ ابتداء میں لوگ لاٹھیوں سے بھاگ جاتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ

لوگ لاٹھیوں کے بھی عادی ہوتے جاتے ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ لاٹھیوں سے بھاگتے نہیں۔ اگرچہ ہم نے عام زخمیوں کا کوئی خاص انتظام نہیں کیا۔ لیکن اگر عام طور سے لاٹھی چارج ہو گا تو ہم کو خاص انتظام کرنا ہو گا۔ اور اگر زخمیوں کا انتظام کر دیا گیا تو لوگ لاٹھیوں سے بھی بے خوف ہو جائیں گے۔ حکومت کا آخری قدم گولیاں چلانا ہو گا۔ جب آپ لوگ اس کو بھی برداشت کرنے لگیں گے تو سمجھ لیجئے گا کہ حکومت ختم ہو گئی۔ میں تو حکومت کے ارباب حل و عقد سے بھی عرض کروں گا کہ سختی کے منازل طے کرنے میں جلدی نہ کرو۔ ورنہ تمہارا رہا سہا اقتدار بھی ختم ہو جائے گا۔ میں آپ سے بھی مخلصانہ درخواست کرتا ہوں کہ قومی تحریکات کی بڑی کامیابی عدم تشدد پر ہے۔ اگر تشدد کے موقع کو ٹال گئے تو سمجھو کہ کامیابی تمہارے دروازے پر موجود ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ آیندہ کے لئے خیال رکھو اور عہد کرو کہ تمہارا اصول جنگ ہمیشہ عدم تشدد ہو گا، جب تک موجودہ نقشہ جنگ تبدیل ہو، اپنے عہد پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو خدا مظلوم کا حامی اور مددگار ہے۔

آزادی وطن اور مسلمان

حضرات! کانگریس نے جب حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا تو آپ کو معلوم ہے کہ ابتدائے جنگ تک مسلمانوں کی کسی آل انڈیا جماعت نے اس جنگ کی شرکت پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے سامنے یہ مسئلہ ضرور تھا۔ لیکن میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اکثر اصحاب کو جنگ کی شرکت میں تامل تھا۔ لیگ سے تو شرکت عمل کی توقع ہی نہ تھی کیونکہ وہ عافیت پسندوں کی جماعت ہے۔ اس نے کبھی جزیرۃ العرب کی تحریک کے زمانے میں بھی جنگ نہیں کی اس وقت لیگ کے ارباب حل و عقد نے یہ عذر کر دیا کہ یہ لیگ ہندوستان کے لئے ہے اس کو

بیرونی معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ مجھے معاف کریں تو میں یہاں تک عرض کروں کہ یہ جماعت گورنمنٹ سے صرف تعاون کر کے حقوق حاصل کیا کرتی ہے۔ یہ گورنمنٹ کی اعانت کرتی ہے اور گورنمنٹ بھی ان کو آگے پیچھے دس پانچ نوکریاں دیدیا کرتی ہے۔ ہندوؤں کی جدوجہد سے جب کبھی ہندوستان کو کوئی رفارم ملتی ہے تو جھٹ یہ امن پسند جماعت مسلم حقوق کا نام لے کر میدان میں آجاتی ہے۔ کوشش اور سعی ہندو کرتے ہیں۔ اور جب کچھ ملنے کا وقت آتا ہے تو بٹوارے کے لئے یہ بزرگ آدھمکتے ہیں۔ اور ان کا مطالبہ ہمیشہ دھمکی آمیز ہوا کرتا ہے۔ یہ ہندوؤں سے رواداری یا اُن کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر حقوق طلب نہیں کرتے۔ بلکہ جنگ کے وقت تو یہ جماعت حکومت کی مددگار بن جاتی ہے اور جب کچھ ملنے لگتا ہے تو ہندوؤں سے کہتی ہے۔ ہمیں حصّہ اِتنا دیجیو ورنہ ہم مطالبے کی تائید نہیں کرینگے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم کو مُنہ مانگے حقوق نہ دوگے تو ہم تم کو بھی کچھ نہیں لینے دیں گے۔ ہندو بھی طوعاً و کرہاً بادلِ ناخواستہ اِن حامیانِ حکومت کو کچھ دے لیکر راضی کرتا ہے۔ اگر آپ لیگ کی زندگی کا مطالعہ کرینگے، تو یقیناً آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ کانگریس کے ہر مطالبہ پر یہ جماعت حکومت کی حمایت جاتی ہے۔ اور جب حکومت ان سے اپنا کام نکال کر ان کو دھتکار دیتی ہے تو یہ ہندوؤں کے سامنے آستینیں چڑھا کر آکھڑے ہوتے ہیں۔ جاہل مسلمانوں کو حقوق کا ڈھنڈورہ پیٹ کر گمراہ کرتے ہیں، اور ہندوؤں کے خلاف اشتعال دیکر فساد کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر ہندوؤں سے کہتے ہیں کہ ہم کو صاف صاف بتادو گے کہ کیا دوگے۔ ورنہ ہم سوراج کی مخالفت کرینگے۔ مسلمانوں کے چند اخبار بھی اسی ذلیل ذہنیت کے ہیں۔ جو معمولی معمولی واقعات پر مسلمانوں کو محض اس لئے مشتعل کرتے رہتے ہیں کہ ملک میں فساد برپا کر کے حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔

اور ہندوؤں سے کہیں بچہ یا تو ہمارے الف سے یک ے تک مطالبے مانو ورنہ ہم رنگ میں بھنگ ملا دیں گے اور مطالبہ بھی وہ مانو جو سر محمد شفیع، سر آغا خاں اور سر فضل حسین، کے مشوروں سے مرتب کئے گئے ہیں۔ وہ مطالبے نہیں جو انصاری۔ ابو الکلام۔ ظفر علی خان، اور شروانی نے مرتب کئے ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہندوؤں کے غلام ہیں۔ انھوں نے برلا سے روپیہ لے لیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں وہ رام راج کے حامی ہیں۔ وہ ہندو پرست ہیں، اور تھانہ بھون کی اصطلاح میں یہ لوگ فرقۂ گاندھویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غرض یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں، اس لئے ان کے مرتب کردہ مطالبات مردود ہیں، نامعقول ہیں۔ رہے سر آغا خاں اور سر شفیع وغیرہم تو یہ پکے، سچے، مخلص دیندار اور تہجد گزار لوگ ہیں۔ یہ امتِ محمدیہ کے حقیقی محافظ اور ملہم من اللہ ہیں۔ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے خواہشمند ہیں۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے پورے حامی اور ناصر ہیں۔ لہذا یہ جو مطالبات کریں وہی درست اور قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کے مرتب کردہ مطالبات منظور ہوں تو دیدو۔ ورنہ دیکھیں تم کس طرح حاصل کر لو گے۔

جمعیتہ علماء اور خلافت کمیٹی

میرے دوستو! لیگئے مسلمانوں کی ذہنیت کا حال تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ البتہ جمعیتہ علماء اور خلافت کمیٹی سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ اس جنگ میں شریک ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ دونوں وہ جماعتیں ہیں جو ۱۹۱۹ء میں عدم تعاون کی جنگ کر چکی ہیں۔ اور بلا کسی حساب و کتاب کے ۳۱ دسمبر کی صبح آزادی کے لئے مقرر کر چکی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے یہاں سے انگریزوں کو چلتا کر دو، پھر

آپس میں بٹ لیں گے۔ لیکن اس دفعہ بدقسمتی سے خلافت کمیٹی میں ایسے ناگوار واقعات پیش آئے کہ بجائے جنگ آزادی کی شرکت کے اس نے ایک دفعہ اور انگریزوں کے آزمانے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس کے ارباب حل وعقد میں وہ لوگ تھے۔ جو اب سے دس برس پہلے ہی انگریزوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس دفعہ انھوں نے پھر دس سال کے بعد انگریزوں کو آزمانے کی کوشش کی اور آزمودہ را آزمودن کے لیئے تیار ہو گئے حالانکہ وہی دس برس پہلے کا انگریز تھا اور وہی گاندھی تھا۔ لیکن اس دفعہ انگریزوں کی خوش قسمتی سے اُن لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ جو کسی زمانے میں آزادی وطن کے سپہ سالار تھے، ارباب خلافت نے یہی نہیں کیا کہ خود انگریزوں کے آزمانے کیلئے تشریف لے گئے بلکہ مسلمانوں کو بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ اس جنگ سے علیحدہ رہیں۔ بلکہ انگریزوں پر یہ احسان بھی جتایا کہ ہم نے مسلمانوں کو اس جنگ میں روکا مسلمانو کے عوام جو پہلے ہی سے کاہل ہو چکے ہیں۔ انگریزی حکومت نے اُن کو مشل کر دیا ہے۔ ان کو قدرتی طور پر یہ مشورہ پسند آیا اور یہ سمجھنے لگے کہ اگر اس موقع پر ہم نے انگریزوں کا ساتھ دیا تو ہم کو فائدہ ہو جائے گا۔ لیکن ان جاہلوں کو کون سمجھاتا کہ، بیوقوفو! انگریزوں کا ساتھ دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ انگریزوں نے آجتک ساتھ دینے والوں کو کچھ نہیں دیا ہے۔ اُسے ملتا ہے جو لڑتا ہے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے وفاداروں کو کون دیا کرتا ہے۔ اس ہی ذہنیت کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمان منتشر ہو گئے۔ اگر وقت پر جمعیتہ علماء رہنمائی نہ کرتی تو آج مسلمانوں کو کہیں مُنہ دکھانے کی جگہ نہ تھی۔ تم نے تو کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ رضاکاروں کو تم نے پکڑوا دیا۔ معزز خواتین پر تم نے پھبتیاں کسیں، غرض جو کچھ تم کو کرنا تھا، سب کچھ کر چکے۔ تمہارے بعض سرکار پرست اخبارات نے جو حیاسوز مضامین لکھے، وہ سب سے زیادہ اسلامی تہذیب کو بٹہ لگانے والے تھے۔ تم سے جتنا انگریزوں کا ساتھ

دیا جاسکا دیا، اس سے زیادہ تم اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

جمعیۃ علماء کا فیصلہ اور مسلمانانِ پشاور

میرے دوستو! میں نے ابھی آپ کے سامنے لیگ اور خلافت کمیٹی کا ذکر کیا ہے۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند کے اصحاب ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو کیا مشورہ دیا جائے۔ امروہہ میں جلسہ ہونے والا تھا کہ یکایک پشاور کی پچانوے فیصدی مسلمان آبادی پر انگریز نے اپنا غصہ اُتار دیا۔ پشاور میں جو کچھ ہوا، میں اس کی تفصیل کس طرح عرض کروں کیونکہ جس رپورٹ میں ان مصیبت زدوں کا ذکر کیا گیا تھا وہ بھی گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔ ہندوستان کے بہترین صوبے پر جو مظالم ڈھائے گئے، وہ مستقبل قریب میں آپ کے سامنے آجائیں گے۔ مسلمانانِ پشاور کی اس المناک حالت کو دیکھ کر جمعیۃ علماء کے اصحاب ایک نتیجے پر جمع ہو گئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر مظالم پشاور نہ ہوتے تو جمعیۃ علماء کا فیصلہ کیا ہوتا۔ بہت ممکن ہے کہ یہی ہوتا جواب ہوا۔ اور ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہوتا لیکن اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ کے اس ظلم نے جمعیۃ علماء ہند کے فیصلے کو بہت تقویت پہنچائی۔ ایک طرف گورنمنٹ یہ کہتی رہی کہ مسلمان اس تحریک میں شریک نہیں ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں ہی کو گولیوں کا نشانہ بناتی رہی۔ سرحد کے بیسیوں حق گو علماء کو قید کر لیا گیا، اور سینکڑوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا، لیکن مسلمان پھر علیحدہ کے علیحدہ ہی رکھے گئے۔

ایک طرف گورنمنٹ نے مسلمانوں کی علیحدگی کا ڈھول پیٹنا شروع کیا، اور دوسری طرف گورنمنٹ کے تنخواہ دار اصحاب اور گورنمنٹ کے سرکاری اخبارات نے لکھنا شروع کیا کہ مسلمان من حیث القوم اس جنگ میں شریک نہیں ہیں۔

پہلے سارداایکٹ کا نام لیا گیا۔ جب سرحدی لوگوں نے کہا نہیں ہم سارداایکٹ کے ایجی ٹیشن میں نہیں مرے ہیں بلکہ ہم تو کانگریس کی تحریک پر گاندھی جی کے جے کے نعرے لگاتے ہوئے مرے ہیں۔ تو ان ذلیل اخبارات نے یہ لکھنا شروع کیا۔ کہ ہندوؤں نے ان کو دھوکہ دیدیا۔ ہندوؤں نے مروادیا۔ خود ہندو پیچھے رہے اور آگے مسلمانوں کو کردیا۔ غرض مسلمان ایسے بے وقوف تھے کہ ہندوؤں کے کہنے سے مرگئے۔ جب یہ بات بھی نہ چلی تو ان غداران وطن نے جھوٹے سچے فتوے شائع کرنے شروع کر دیئے۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ حرام موت مرے ہیں۔ انہوں نے ہندو تحریک پر جان دی ہے۔ آج جو اخبارات موٹی موٹی سرخیوں سے گاندھی جی کی قلابازیاں گنوا رہے ہیں۔ ان ستم ظریفوں سے کوئی پوچھے کہ کل تم شہدائے پشاور کو کافر بنانے میں کتنی قلابازیاں کھا چکے ہو۔ ابتدائے تحریک سے ابتک تم نے کتنی عیارانہ قلابازیاں کھا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ کیا تمہارے ڈوب مرنے کو ہندوستان کے دریا اور سمندر خشک ہو گئے ہیں۔ جن مرنے والوں اور جیل جانے والوں کو تم نے اسلام سے خارج کیا تھا۔ آج ڈاکٹر محمود کے اعلان سے تمہارا رنگ کیوں بدل گیا۔ جن شیدائیان وطن کو کل تک غیر مسلم کہتے تھے، آج ان کی قربانیوں کی قیمت کیوں طلب کر رہے ہیں۔

بارہ ۱۲ ہزار مسلمانوں کی قربانی

میرے محترم بھائیو! ایک بے ضابطہ تعداد کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ بارہ ہزار مسلمان جیل خانہ گئے ہیں۔ یہ تعداد شہدائے پشاور سے علیحدہ ہے یعنی مرنے والے اس گنتی میں شریک نہیں ہیں۔ اسی طرح اس تعداد میں وہ غیر آزاد قبائل بھی نہیں ہیں، جن کے تباہ کرنے میں حکومت ہندوستان کے خزانے سے

صرف چھ ماہ کی قلیل مدت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ خرچ کر چکی ہے، اور جو آیندہ فوجی اخراجات کی مد میں ڈالا جانے والا ہے۔ کہاں ہیں وہ مسلمان جو معمولی معمولی باتوں میں مسلمانوں کے روپیہ کو دریافت کیا کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں اس رقم میں مسلمانوں کا روپیہ ہے یا نہیں۔ اگر ہندوستان کے ٹیکسوں میں مسلمانوں کا روپیہ بھی شامل ہے تو پھر مسلمانوں کے روپیہ سے مسلمانوں ہی کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن تمہاری حق گو آوازیں خاموش ہیں۔ بہر حال تم نے اس جمعیتہ علماء کے فیصلے کا نتیجہ دیکھ لیا۔ جس کو تم مرحوم اور آنجہانی کہا کرتے تھے۔ امروہہ کے فیصلے کے وقت تو یہ جمعیتہ علماء مرحوم تھی۔ لیکن آج قربانیوں کی تعداد دیکھ کر تمہارے منہ میں پانی بھر آیا۔ اب تم ہندوؤں سے ان مسلم نما کافروں کی قربانیاں پیش کر کے حقوق کا مطالبہ کر رہے ہو۔ کبھی مفتی کفایت اللہ کی جمعیتہ کو پکارتے ہو۔ کبھی خالص ہندوؤں کو مسلم لیگ میں دعوت دیتے ہو۔ کبھی باغی گاندھی کے پاؤں پکڑتے ہو۔ جب کھسیانے ہو جاتے ہو تو عارضی صلح کا مذاق اڑانے لگتے ہو۔ میں نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آج بھی تمہارے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آؤ ہم تم متفقہ مطالبے اور معقول مطالبہ بنائیں۔ پھر ہم تم متفق ہو کر کانگریس میں چلیں۔ اگر ہندو تمہارے متفقہ مطالبہ کو منظور نہ کریں .... تو ہم تم وہاں سے متفقہ طور پر نکل آئیں۔ لیکن معاملہ کو معاملے کے طریقے سے ہو گا۔ تم میں باہمی اتفاق نہیں ہے۔ پنجاب کے ٹوڈی کہتے ہیں۔ ہمارے چھین دیدو۔ اگر اس میں ایک بھی کم ہوا تو ہم انگریزوں کے ساتھ انگلستان چلے جائینگے۔ یو۔ پی کے سرکار پرست کہتے ہیں۔ ہم کو جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اگر اس میں سے ایک سیٹ بھی واپس لی تو ہم جان کھو دیں گے۔ بنگال کے مسلمان چونٹی پہ جان دے رہے ہیں۔

اسمبلی اور کونسل کے شیدائیوں کا مخلوط انتخاب کے نام سے دم نکلا جاتا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ مخلوط انتخاب ہوا اور ہماری میراث ہاتھ سے نکلی، جب ایک صوبے کے مسلمان دوسرے صوبے کے مسلمان کے ساتھ ہمدردی کو تیار نہیں ہیں، تو پھر ہندوؤں سے اپنے مطالبات کیونکر منوا سکتے ہو۔ مولانا یعقوب صاحب کی رائے ہے کہ لارڈ اروِن کو ہی ثالث بنا دو۔ غرض مسلمانوں میں نفسا نفسی اور آپا دھاپی کا سیلاب ہے جو تمام قومیت کو بہائے لیئے چلا جا رہا ہے۔ ہر شخص ذاتی حقوق اور ذاتی اغراض کو مسلم حقوق کی چادر میں چھپائے پھرتا ہے۔ اور طرح طرح سے غریب مسلمانوں کو دھوکے میں مبتلا کر رہا ہے۔

سرکاری اخبار اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح دو چار بڑی بڑی جگہ فساد کرا دیں تو شملہ والی گول میز کانفرنس ناکام ہو جائے۔ اور پھر ہم ہندوؤں پر آوازے کسیں کہ لے لیا سوراج؟ گویا سوراج کوئی ہندوؤں کی چیز ہے۔ یہ ملک مسلمانوں کا نہیں ہے۔ اور نہ اس میں مسلمان بستے ہیں۔ اگر سوراج نہ ملے گا تو فقط ہندوؤں کی ناک کٹے گی مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ یہ اخبارات صبح سے شام تک خونریزی کیلئے تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ خود ہی بازار میں کھڑے ہو کر کوئی فساد شروع کر دیں۔

بنارس کا فساد

میرے عزیزو! یہی فسادی اخبار نویس بنارس کے افسوسناک واقعہ کو آلہ بنا رہے ہیں۔ ان بدنصیبوں کا جی چاہتا ہے کہ بنارس کا نام لے لے کر تمام ہندوستان کو فرقہ وارانہ جنگ میں مبتلا کر دیں۔ میں سچ کہتا ہوں، ان کو مسلمانوں کے خون سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اگر یہ مسلمانوں کے ہمدرد ہوتے تو اپنی اپنی چشم داد

اور آزاد قبائل کے جو سینکڑوں مسلمان شہید ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی آواز بلند کرتے حبیب نور کو جس وحشت و بربریت کے ساتھ پھانسی دگئی ہے۔ اس کے لئے تمام ہندوستان میں جلسے کرتے۔ لیکن کانگریسی مسلمانوں کو تو وہ کمبخت مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اُن مسلمانوں کے لئے نہ ان کی آنکھ میں آنسو ہے، اور نہ ان کی قلم میں جنبش ہے۔ ان کو مرحوم مسلمانانِ بنارس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ بلکہ انکی صرف خواہش یہ ہے کہ جاہل مسلمانوں کو مشتعل کر کے ہندوستان کو فرقہ دارانہ جنگ میں مبتلا کر دیں تاکہ انگریز ان سے خوش ہو جائے اور لارڈ اِرون کی حکومت ان کے اخبارات کے لئے سرکاری اشتہارات کی سفارش کر دے یا کسی سے اشارہ کر کے دستِ غیب کا شرف حاصل کرا دیا جائے۔ بنارس کا جہاں تک تعلق ہے، آپ کی جمعیۃ علمار کا ایک وفد مولانا عمر دراز بیگ صاحب کی سرپرستی میں نہایت خاموشی کے ساتھ حالات کی تحقیقات میں مصروف ہے، اور چند ہی روز میں انشاء اللہ صحیح رپورٹ آپ کے سامنے آجائے گی۔

مظلومین اور مرحومین کی امداد کا جہانتک تعلق ہے فوری انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ بہتر ین دکلار کی خدمات مسلمانانِ بنارس کی خدمت میں پیش کیجئے۔ شہداد اور مقتولین کے پسماندگان کی مالی امداد کیجئے۔ ایک کمیٹی بنا لیجئے۔ اور امدادی رقوم جمع کرنے کا کام فوراً شروع کر دیجئے۔ جہانتک خبروں کا تعلق ہے اس امر کے یقین کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مقتولین میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن فرقہ دارانہ فسادات میں یہی ہوا کرتا ہے۔ کوئی کسی کو حساب کر کے قتل نہیں کرتا۔ کبھی ہندو زیادہ قتل ہو جاتے ہیں اور کبھی مسلمان زیادہ قتل ہو جاتے ہیں۔ تم اشتعال انگیز خبروں سے ملک میں فساد کو تو تقویت پہنچا سکتے ہو، لیکن مظلوم مسلمانوں کی بہبودگی کے لئے مسلمانوں کی امداد نہیں کر سکتے۔

اگر فتنہ وفساد کی آگ کے شعلہ تم نے بھڑکا کر ملک کے امن وامان کو خاکستر بھی کر دیا، تو مسلمانوں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ اس وقت تو صرف بنارس ہی کے مسلمانوں کی امداد کا معاملہ ہے۔ پھر نہ معلوم کہاں کہاں کے مسلمانوں کو امداد کی ضرورت واقع ہو جائیگی۔ اسلیئے میں کہتا ہوں کہ خدا کے لیے مسلمانوں پر رحم کرو۔ تمہارا کچھ نہیں جائیگا۔ لیکن تم اپنے چند پیسوں اور حکومت کی خوشنودی کے لیئے بیگناہ اور غریب مسلمانوں کو تباہ کرا دو گے۔ اگر واقعی تمکو بنارس کے شہداء سے ہمدردی ہے۔ تو ان کی اور ان کے پسماندگان کی اعانت و امداد کرو۔ اس بنارس کے فساد میں خدا جانے بابا خلیل داس کا نام کہیں سننے میں نہیں آتا۔ نہ معلوم وہ اُن کے دس ہزار رضا کار جو ریشمی کپڑے پہنے ہوئے کانگریس برباد اور برطانیہ آباد کے نعرے لگاتے پھرا کرتے تھے اُن کو زمین کھا گئی یا وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ بابا خلیل داس ہمارے زمانہ قید میں ایک دفعہ اپنے فوجی دستے کو دہلی بھی لیکر پہونچے تھے، اور جامع مسجد دہلی میں اُنہوں نے پریڈ بھی کرائی تھی۔ خدا جانے جھوٹ یا سچ میں نے سُنا ہے کہ اُن کے رضا کار ایسے سدھے ہوئے تھے کہ باباجی کے اشاروں پر پریڈ کرتے تھے۔ باباجی کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال رہتا تھا۔ جہاں اُنہوں نے رومال ہلایا، اور اس ریشمی فوج نے اپنے کرتب دکھانے شروع کر دیئے۔ لیکن خدا جانے وہ ولایتی فوج اور اسکے کمانڈر ضرورت کے وقت کہاں غائب ہو گئے۔ اس فوج کو بنارس کے غریب مسلمانوں کے چندے کھلا کھلا کر اسی دن کے لیئے تو پالا تھا کہ کانگریسی رضا کاروں کو چھیڑنا، معزز خواتین پر پھبتیاں کسنا بدیشی پارچہ فروشوں کی امداد کرنا اور جب فساد شروع ہو جائے تو ہندوؤں کو ایسا مارنا کہ چھٹی کا کھایا یاد آجائے۔ لیکن جب اس دس ہزار فوج کی ضرورت واقع ہوئی تو یہ فوج مع کمانڈر صاحب کے غائب ہو گئی۔

سنتا ہوں کہ اس جنگ میں مالوی جی کی یونیورسٹی کے طالبعلم بھی بانھوں

میں لکڑیاں لے کر پھر رہے تھے۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو اور بھی افسوس کے قابل ہے کہ طالبعلموں کو اس قسم کے جھگڑوں سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ یہ فساد تو خود غرض لوگ کرایا کرتے ہیں۔ طالبعلموں کو اپنی تعلیم سے دھیان رکھنا چاہیئے۔

میرے عزیزو! جمعیتہ علماء صوبہ متحدہ کی صحیح رپورٹ کے بعد میں مزید خیالات کا اظہار کرونگا۔ لیکن اتنی بات کی صحت میں شک نہیں کہ فساد ہوا مسلمان شہید ہوئے، زخمی ہوئے جیل خانوں میں ہیں۔ مساجد کو بھی نقصان پہنچا۔ فساد کی ابتداء اگرچہ ایک سیاسی قتل سے ہوئی۔ لیکن اس نے فرقہ دارانہ صورت اختیار کر لی۔ اگر امن پسند ہندو، مسلمان اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالکر قیام امن کی کوشش نہ کرتے تو یقیناً نتائج بہت زیادہ اندوہناک ہوتے ان نقصاناتِ جان، واموال کی تلافی اس ہی طرح ممکن ہے کہ مستحقین کی مالی امداد کی جائے، اور چند معزز ہندو مسلمان بنارس ہی ہیں چکر تعلقات کی اصلاح کریں اور اس امر کی کوشش کریں کہ آئندہ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آئے۔

میرے دوستو! فساد کی اصلاح فساد سے نہیں ہوا کرتی۔ تم نے اگر ملک کے پُرامن حصول میں بنارس کے فساد کا نام لے کر فساد کرا دیا تو ممکن ہے انگریزوں کو خوش کر کے کچھ مار کھاؤ۔ لیکن حقیقتاً یہ فساد کی اصلاح نہیں ہے۔ میری حقیر رائے جو کچھ تھی وہ میں نے عرض کر دی۔ اگر میرا اعتماد نہیں ہے تو حکومت پرستوں کے مشورے پر عمل کر کے دیکھ لیجئے۔ آپ کو تجربہ ہو جائیگا کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں یا وہ۔ اگر وہ آپ کا خیر خواہ ہے جو مزید خونریزی کرانیکا متمنی ہے، اور اس کی خواہش ہے کہ فرقہ دارانہ فساد کے ہاتھوں ہندوستان میں خون کی ندیاں بہ جائیں تو اچھا آپکی مرضی۔

ہندو مسلم حقوق کا تصفیہ

حضرات! اس وقت جو چیز ہمارے پیش نظر ہے وہ ہندو مسلم معاملات کا

تصفیہ ہے۔ حقوق کا جہانتک تعلق ہے۔ اُس سے کسی حامیِ وطن کو اختلاف نہیں ہے موجودہ حالت ہندوستان کی اس قابل نہیں ہے کہ کسی متحدہ نیشن کا ادعا کیا جا سکے اور جب تک متحدہ نیشن قائم نہ ہو۔ اسوقت تک یہ ضروری ہے کہ ہر اقلیت کو اُس کے حقوق کی جانب سے مطمئن کیا جائے۔ جوں جوں ہمارا ملک ترقی کرتا جائیگا۔ فرقہ وارانہ حقوق کی کمی ہوتی جائے گی۔ لیکن جب تک ارتقائی حالت کی تکمیل نہیں ہوتی، ہم مجبور ہیں کہ ایک ایسا منصفانہ سمجھوتہ کریں۔ جس سے کسی فریق کو شکایت نہ ہو بلکہ وہ سمجھوتہ اعتماد کو تقویت دینے والا ہو۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جمعیتہ علماء نے آجتک کبھی مسلم حقوق سے چشم پوشی نہیں کی۔ آپ ہی کے مرادآباد میں جمعیتہ علماء نے مسلم حقوق کے متعلق جو مسودہ منظور کیا تھا اُس سے آپ حضرات غافل نہ ہوں گے، اس مسودہ کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی جمعیتہ علماء نے تغافل کیا ہے۔ البتہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ جمعیتہ علماء نے عدم تصفیہ کو عدم شرکت کانگریس کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہم جانتے تھے کہ تصفیہ تو لامحالہ ہوگا۔ محض تصفیہ حقوق کو بہانہ بنا کر ملک سے غداری کرنا۔ ہمارے نزدیک انتہا درجہ کی بے ایمانی تھی۔ آخر ہندوستان ہمارا بھی ملک ہے۔ جب کبھی ملک کی آزادی کا سوال ہوگا مسلمان بیٹھ نہیں سکتا۔ ہم ہندوؤں کو تنہا جنگ کرنے کے لئے نہیں چھوڑ سکتے تھے، جب ملک مشترک ہے۔ تو جنگ بھی مشترک ہونی چاہیئے تھی۔ ہم میں اور سرکار پرستوں میں یہی فرق ہے کہ اُنہوں نے تصفیہ حقوق کو انگریزوں کی حمایت کا ذریعہ بنالیا۔ دُنیا کو یہ کہہ کر دھوکا دیتے رہے کہ ہم غیر جانب دار ہیں۔ لیکن دورانِ جنگ میں ان غداروں نے کانگریس کو ناکام کرنے کے لئے کوئی فروگزاشت نہیں کی۔ دورانِ جنگ میں یہ دشمنانِ وطن!

حکومت کو اپنی علیحدگی کا یقین دلاتے رہے۔ اُدھر وائسرائے اعلان کرتے تھے کہ مسلمان وفادار ہیں۔ اُدھر یہ غدار کہتے تھے کہ ایک مسلمان بھی اس جنگ میں شریک نہیں۔ گورنمنٹ چاہتی تھی کہ وہ مسلم اقلیت کا نام لیکر کانگریس کو کورا جواب دیدے اور دُنیا کو یہ کہہ کر دھوکہ دے کہ سات کروڑ مسلمان تو ہندوستان میں ہماری حکومت چاہتے ہیں۔ بھلا ہم ہندوستان کو کس طرح آزاد کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ خوشامد خورے دُنیا کی آنکھوں میں یہ کہکر خاک جھونکتے تھے کہ جو کانگریس میں شریک ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ جمعیتہ علماء ہند مر چکی ہے۔ اس کا کوئی اثر نہیں، پشاور کے مرنے والے مسلمان اور آزاد قبائل کے آفریدی مہمند سب بے ایمان ہیں۔ کانگریس سے روپیہ کھا گئے ہیں۔ مفتی صاحب قبلہ کو بہتر ہزار روپیہ دیا گیا ہے۔ شولاپور کے مارشل لاء میں پھانسی پانے والا مسلمان کافر ہے۔

ان دشمنانِ وطن کی ایک حرکت ہو تو اس کا اظہار کروں ان ظالموں نے کانگریس کی تحریک کو کچلنے میں کون سی کمی کی ہے۔ جمعیتہ علماء کو بدنام کرنے میں کونسی کسر اُٹھا رکھی ہے۔ اور کچھ نہ ہو سکا تو مولٰنا اشرف علی صاحب سے ایک غلط سلط سوال لکھ کر فتویٰ حاصل کر لیا۔ لاکھوں کی تعداد میں یہ فتویٰ پولیس اور فوج میں تقسیم کیا گیا۔ آج بھی گاؤں کے پٹواری اس فتوے کی بدولت مسلمانوں کی دیہاتی آبادی کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگر خدا کی امداد و اعانت مظلوموں کے ساتھ نہ ہوتی تو تم نے تو ظالموں کو تقویت پہونچانے میں ذرہ بھر کمی نہیں کی جب سب کچھ یہ غدار اپنا کالا مُنہ کر چکے تو انگریز نے ان سے وہی سلوک کیا جو اس نے بنگال کے میر جعفر اور دکن کے آصف جاہ سے کیا تھا۔ اب یہ بے حیا اور بے غیرت بھاگ بھاگ کر ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر آرہے ہیں۔ وُہی انصاری اور ابو الکلام۔ وہی مفتی کفایت اللہ جن کو یہ خبیث مہاشے اور پنڈت کہا کرتے تھے

آج دو ڑ دو ڑ کر ان کے قدموں میں گر رہے ہیں۔ صوبہ متحدہ کے ایک بہت بڑے ٹوڈی تو گاندھی جی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یہ کہہ گئے کہ ہم نے جو کچھ کیا جھک مارا۔ ہم سخت غلطی پر تھے۔ اب آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں۔ اور آپ ہی ہندو مسلم مسئلہ کو طے کر سکتے ہیں۔ ان اقتدار پسندوں کا کوئی ایمان ہے۔ کل تک یہ موذی گاندھی جی کے خلاف انگریزوں سے سازش کر رہے تھے۔ جب ہڑتال ہوتی تھی تو مسلمانوں کی دوکانیں کھلواتے پھرتے تھے۔ پکٹنگ پر معزز خواتین سے مذاق کیا کرتے تھے۔ ہندوؤں کی ضد میں شراب فروشوں کی امداد کرتے تھے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اب ڈاکٹر انصاری، اور ابوالکلام کے سامنے خوشامد کر رہے ہیں۔ مرحوم جمعیتہ علماء کے نام کی دہائی پکار رہے ہیں کہ اللہ کے واسطے ہمارے حقوق کا تصفیہ کرا دو۔ بھلا تمہارے ضمیر کی ذلت کا کوئی ٹھکانا ہے کل تک انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے۔ آج ہندوؤں کی خوشامد کرنے لگے۔ تمہیں اب یہ فکر ہو گئی کہ آئندہ کانسٹی ٹیوشن میں خدا جانے ہمیں کوئی وزارت ملتی ہے یا نہیں۔ کل تک جو جداگانہ انتخاب پر جان دے رہے تھے۔ آج اُن کی رائے میں نمایاں تبدیلی ہو گئی ہے۔ ایک خان بہادر ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر فرما رہے تھے۔ جناب میں تو اب مخلوط انتخاب کا حامی ہوں۔ اللہ اللہ جس انقلاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اُسی انقلاب میں خود بھی مبتلا ہو گئے۔

میں سچ عرض کرتا ہوں ان حرماں نصیبوں کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں خود غرضی بھی کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ لیکن خدا کے واسطے مسلم حقوق کی چادر اوڑھ کر دنیا کو دھوکہ نہ دو۔ یہ رنگ برنگ کے برقعے اوڑھ کر کیوں مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہو۔ صاف کہو کہ ہم پیٹ کے کتوں اور عزت کے بھوکوں کو ملازمت اور ...... چاہیئے۔ اس سے

زیادہ ہمارا کوئی منشا نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کمبخت کے سامنے نہ مذہب کا سوال ہے نہ دین کی بحث ہے، نوکریاں ہیں، سیٹیں ہیں۔ وزارتیں ہیں، اتنا ہمیں یہاں دیدو، اتنا ہمیں وہاں دیدو۔ سول نافرمانی ہو تو یہ قوم فروش گھروں میں گھس جائیں، خفیہ اور علانیہ انگریزوں کی مدد کریں۔ جیل جانا ہو تو ہندو جائے۔ لاٹھیاں کھانی ہوں تو جمعیتہ علماء کے ارکان کھائیں۔ بمباری کا مزہ لینا ہو تو بیچارے آفریدی اور مہمندی تختہ مشق بنیں اور حقوق کا معاملہ ہو تو خان بہادر فلاں، اور سر فلاں اور خانصاحب فلاں آگے آکھڑے ہوں۔ اگر ہم اتنا کہدیں کہ صوبہ متحدہ اور بہار وغیرہ میں وبیٹج ملا ہوا ہے۔ وہ چھوڑ دو تو سب کائیں کائیں کر کے جھپٹ جائیں۔ واہ جناب آپ مسلم حقوق کے گلے پر چھری پھرواتے ہیں۔ اور اگر وائسرائے یہ کہدیں کہ بنگال میں یورو پین آبادی کی حفاظت کس طرح ہو گی، تو جھٹ چون سے چھیالیس پر راضی ہو جائیں۔ اتنی قلیل آبادی کو مسلمانوں کا گلا کاٹ کر دس نشستیں دینے پر راضی ہو جائیں۔ غضب خدا کا چون فی صدی میں۔ سے آٹھ سیٹیں وائسرائے کے کہنے سے یورو پین کے دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ غضب تو دیکھو بھلا ان کمبختوں کا کوئی ایمان ہے۔ لیکن خدا کی شان کہ آج دنیا کے نزدیک یہ مسلمانوں کے خیر خواہ مسلم حقوق کے محافظ اور پختہ ایمان دار، اور ہم مسلمانوں کے دشمن، ملت فروش، بے ایمان اور خدا جانے کیا کیا۔

ہم اگر کہیں کہ پنجاب کا ریزولیشن چھوڑ دو تاکہ کبھی بدنصیب مسلمانوں کو موقع مل سکے کہ وہ چھپن یا چھپن سے زائد نشستیں حاصل کر سکیں۔ تو آپ کے یہ ٹوڈی ایسا غل مچائیں کہ آسمان سر پر اٹھالیں اور خود اپنچاس پر راضی ہو جائیں تو مسلمانوں کا خیر خواہ ان سے بڑھکر کوئی نہیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

بھا ہوا تصفیہ جب چاہو ہو سکتا ہے۔ جنگ سے پہلے بھی ہو سکتا تھا اور آج بھی ہو سکتا ہے، لیکن تصفیہ تو جب ہوگا رواداری کے ڈھنگ پر ہوگا۔ کچھ تم کو دینا ہوگا۔ کچھ ہندو کو دینا ہوگا۔ معاہدے قوموں کے ہمیشہ لین دین کے اصول پر ہوا کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوا کرتا کہ کسی کانفرنس کی تجویز کو قرآن کی آیت بنا کر بیٹھ جایا کرتے ہیں اور جہاں کسی نے کہا آؤ مسلمانوں کے حقوق پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیں، اور ایک متفقہ چیز ہندوؤں کے سامنے پیش کریں، جہاں کسی نے یہ مشورہ دیا اور تم نے بستہ کھول کر دہلی کی ایک کانفرنس جس کی صدارت کے لئے سر آغا خاں کو لندن سے تکلیف کرنی پڑی تھی، اس کانفرنس کی تجویز پڑھنی شروع کر دی اور اگر کسی نے ٹوکا کہ مخلوط انتخاب پر تو غور کیا جا سکتا ہے، اور جھٹ تم نے بگڑ کر کہا کہ دیکھئے جناب اس میں ایک لفظ کم نہیں ہو سکتا۔ یہ تجاویز اس شخص کی صدارت میں طے ہوئی ہیں۔ جو نہ صرف ملہم من اللہ ہے بلکہ بسا اوقات خدا کی شان میں بھی جاوہ گر ہوا کرتا ہے، لیکن اس ہی الہامی تجویز پہ اگر میاں فضل حسین کچھ تنقید کر دیں اور چپکے سے یوں کہدیں کہ تم بنگال میں اس طرح کر دو اور ہم انتخاب میں اس طرح کر دینگے تو آمنا وصدقنا۔

اگر لندن میں ریمزے میکڈانلڈ نے ہندوؤں سے ساز باز کر لی تو تم نے بھی تو دہلی میں وائسرائے سے ساز باز کر لی ہے، ورنہ بنگال میں کیوں یوروپین حکومت قائم کرنے کے منصوبے کئے جا رہے ہیں۔

ہندوؤں نے اگر وزیر ہند سے سازش کر لی تو جنگ کے بعد کی اور تم تو جنگ سے پہلے ہی وائسرائے کو اپنی وفاداری کا یقین دلا چکے تھے۔ تم عام مسلمانوں کو گمراہ کر سکتے ہو۔ لیکن کام کرنے والوں کو دھوکا دینا تمہاری طاقت

سے باہر ہے۔

انگریزوں سے فیصلہ کرالو

میرے دوستو! میں آج علی الاعلان کہتا ہوں چھ صوبوں میں ورٹیج پر قبضہ رکھتے ہوئے۔ پنجاب میں پچپن اور بنگال میں چونتیس مع سپرٹ ایکسٹنڈ کے ریزروا گر انگریز سے لے سکتے ہو تو لے لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن انگریز سے اس کی گارنٹی کر لینا کہ اگر کل کو ہندوؤں نے کوئی ہولناک ایجی ٹیشن شروع کر دیا تو مسلمانوں کے بیٹو نکو بلا کر تقسیم بنگالہ کی تنسیخ کی طرح مسلمانوں کا گلا تو نہیں گھونٹے گا۔ کل کی بات ہے کہ صوبۂ بنگال کو انگریزوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ لارڈ کرزن کہتے تھے کہ میں نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن جب نوجوان بنگالیوں نے بم چلانے شروع کر دیئے اور یہی گورنمنٹ ایسی گھبرائی کہ بنگال کی تقسیم کو منسوخ کرنے کے لیے مجبور ہو گئی اور جب مسلمانوں نے کہا کہ حضور وہ احسان کہاں گیا تو ایک فرضی ڈیپوٹیشن کو شملہ پر بلا کر جداگانہ انتخاب کی لعنت کا طوق مسلمانوں کے گلے میں ڈالدیا۔ جب مسلمانوں کو اُلّو بنانے کا وقت تھا تو یہ کہدیا کہ مسلمانوں کی پولیٹیکل اہمیت اس ملک میں بہت زیادہ ہے۔ یہاں مسلمانوں نے حکومت کی ہے۔ پولیٹیکل اہمیت جتا کر مسلمانوں کو بیوقوف بنایا، اور جداگانہ انتخاب کا بدترین لقمہ ان کے سامنے ڈالدیا۔ لیکن آج وہی حکومت ہے کہ اس کے ذمہ دار اراکین جداگانہ انتخاب کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ نہ آج غریب مسلمانوں کی پولیس اہمیت ہے نہ انکی ہزار سالہ حکومت کا کوئی تذکرہ ہے۔

اس لیئے میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کی مرضی کے خلاف انگریزوں سے سمجھوتہ کر لو تو اس کی گارنٹی کر لینا کہ کل کو وہ ہندو نوجوانوں سے مرعوب ہو کر پھر اپنے فیصلے میں ردّ و بدل تو نہیں کرینگے۔

بھائیو! میں تو انگریزوں کو دو سو برس سے دیکھ رہا ہوں۔ انگریز ہمیشہ اپنی غرض کے لئے مسلمانوں سے جھوٹے سچے وعدے کر لیتا ہے۔ اور جب غرض نکلجاتی ہے تو مسلمانوں کو آنکھیں دکھا دیتا ہے۔

آج بھی انگریز مسلمانوں کی آڑ میں گورنروں اور گورنر جنرل کے اختیارات بڑھانا چاہتے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ اگر ہمارے اختیارات محفوظ کرا دو، تو ہم اقلیت کی ضرورت پر ان اختیارات کو استعمال کرینگے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ذمہ دار حکومت کو ناقص کر دو تو ہم مسلمانوں کو ہندوؤں کے مظالم سے بچائیں گے۔ لیکن دیکھو ہوشیار رہنا حکومت کے دھوکے میں نہ آجانا۔

بھائیو! میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو جو کچھ کہے اس کو آنکھیں بند کر کے مان لو۔ ہندوستان کا کانسٹی ٹیوشن بن رہا ہے۔ اس لئے جسقدر کھینچ کے معاملہ کرتے ہو کرو۔ مجھے کچھ اعتراض نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوؤں کے قدموں پر رگر جاؤ، لیکن معاملہ کو معاملہ کی طرح کرو۔

مطالبہ معقول ہو اور متفقہ ہو

میرے عزیزو! اگر تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرا لینے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ اور یہ ملک مشترک ہے۔ اس ملک کے ہندو و مسلمان دونوں کو آیندہ زندگی بسر کرنی ہے تو میں آپ کے سامنے حقوق کے متعلق کچھ عرض کروں، آپ جانتے ہیں کہ اس ملک میں آپ کا حصہ نہ صرف زندگی میں ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی آپ کی ہڈیاں اس ہی زمین میں دفن ہوتی ہیں۔ آج بھی اس ملک میں آپ کے آبا و اجداد کی بارہ سو سالہ قبریں موجود ہیں۔ ہندو تو مرنے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ کو مرنے کے بعد بھی ہندوستان

میں دفن ہونا ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو تم کس طرح اس امر سے انکار کر سکتے ہو کہ اس ملک سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم کو تو قیامت میں بھی اسی ہی سرزمین سے اُٹھنا ہے۔ منها خلقنٰکم و فیها نعیدکم و منها نخرجکم تارۃ اُخریٰ ایسی حالت میں تمہارا سیاست وطنیہ سے غافل رہنا تمہاری موت کا موجب ہوگا۔ میں تم سے صاف طور پر کہتا ہوں کہ سات کروڑ انسانوں کو کہیں اور جگہ نہیں ہے جہاں تم چلے جاؤ گے۔ افغانستان کی ہجرت کا تماشہ دیکھ چکے ہو۔ جب تم کو اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے تو تم کب تک غفلت کی نیند سوتے رہو گے۔ دیکھو دُنیا پلٹا کھا رہی ہے۔ جو انقلاب کا ساتھ نہ دیگا۔ وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر زندہ رہنا ہے تو دُنیا کی قوموں کے دوش بدوش چل کر ہی زندہ رہ سکتے ہو۔ تم اس جنگ میں کچھ اس طرح اجنبی رہے گویا یہ تمہارے ملک کی جنگ ہی نہ تھی۔ اگر جمعیۃ علماء صحیح وقت پر رہنمائی نہ کرتی تو مسلمان کسی گھر کے بھی نہ رہتے۔ تم تو یہ کہتے ہو کہ جمعیۃ علماء ہند نے رقم کھالی۔ میاں مسلمانوں کو ستر ہزار روپیہ میں فروخت کر دیا۔ خود دہلی کے مسلمان مراد آباد کے رضاکاروں سے کہا کرتے تھے۔ اب یہ لو تو آ نہ میں مسلمانوں کو مروانے آگئے۔ لیکن میں تم کو یقین دلاتا ہوں۔ ایک مسلمان قسم ہی کھا سکتا ہے اور قسم کھا کر ہی یقین دلا سکتا ہے۔ اگر ہم نے تھوڑا یا بہت روپیہ لیکر کانگریس کی شرکت کی ہو تو ہم پر خدا کی لعنت ہو۔

مسلمانو! قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میسر نہ ہو اگر ہم نے کسی مالی لالچ سے تم کو یہ مشورہ دیا ہو کہ تم ملکی جنگ میں شریک ہو کر اس کو کامیاب بناؤ۔ میں نے تو اس قدر احتیاط کی کہ دہلی کے چند بدمعاشوں نے شراب کی دُکان پر ایک رضاکار کا سر پھاڑ دیا تھا۔ اس کے لئے کانگریس سے اسپرٹ کی بوتل آئی تھی تو میں نے اُس کے بھی دام دفتر سے بھجوا دیئے تھے۔ جمعیۃ علماء کے رضاکارو

پر کانگریس کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہونے دیا۔ یہ اس لیے نہیں کہ میں کانگریس کو مشترک جماعت نہیں سمجھتا تھا، یا اس سے روپیہ لیکر کام کرنے کو ناجائز اور غلط سمجھتا تھا۔ بلکہ صرف مسلمانوں کی ذہنیت دیکھتے ہوئے اور ہندوؤں سے یہ کہتے ہوئے کہ میں اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھتا ہوں۔ میرے رضاکار پکٹنگ پر جانے سے پہلے خدا کے سامنے دعا کرتے تھے اور میں ان کو ایک مختصر تقریر میں یہ سمجھاتا تھا کہ بیٹا! ہندوستان ہمارا اور ہندوؤں کا مالک ہے۔ انگریز باہر سے آکر یہ قابض ہو گیا ہے۔ اور ہمارے ملک کی دولت ہماری مرضی کے خلاف لوٹ رہا ہے۔ ہم یہ جنگ اس لئے کر رہے ہیں کہ اپنے ملک کو اس سے آزاد کرالیں۔ اگرچہ ہمارا فرض تھا کہ ہم اس سے تنہا لڑتے، لیکن ہم کمزور ہیں، اس لئے تنہا جنگ نہیں کر سکتے۔ ہندو طاقتدار ہے اس کے ساتھ تو ہم جنگ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ جنگ بند کر دیگا۔ تو مجبوراً ہم کو بھی جنگ بند کرنی ہوگی۔ ہم اپنے ملک کی آزادی کے لئے اس جنگ میں شریک ہوئے ہیں، جس طرح ہندو کا یہ ملک ہے، اسی طرح مسلمانوں کا بھی ہے، ہم ہندوؤں کو تنہا چھوڑنا نہیں چاہتے تاکہ فتح کے وہ تنہا وارث نہ ہو جائیں۔ جمعیۃ کے رضاکار میدانِ جنگ میں اپنا کام سمجھ کر گئے تھے، اس لئے میں نے مسلمانوں ہی کا روپیہ خرچ کیا اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بجز دو وقت روٹی کھلا دینے اور واپسی پر گھر کا کرایہ دیدینے کے رضاکاروں کے ساتھ ایک پیسہ کا بھی نقد سلوک نہیں کیا گیا، آپ مراد آباد کے رضاکاروں سے دریافت کر لیجئے جنہوں نے جمعیۃ علماء کی عزت کا تحفظ کرنے میں اپنی قربانیاں پیش کی ہیں۔

میرے بھائیو! جس طرح جمعیۃ علماء ہند کی قربانیاں اس جنگ میں کافی ہیں۔ اسی طرح خدا کا شکر ہے۔ روپیہ پیسہ کے معاملہ میں بھی کنوڈا نہیں ہوں۔ آج میری آنکھ ہندوؤں سے شرمندہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں مسلم حقوق کے معاملہ میں پوری

قوت کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔ جب میں نے کام کرنے میں ہندوؤں سے روپیہ بھی نہیں لیا اور مسلمان رضا کاروں کی قربانیاں بھی دریغ پیش کیں، تو اب میں حقوق کے معاملے میں کس طرح دب سکتا ہوں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر جمعیۃ علمار کے پاس کافی روپیہ ہوتا اور مسلمان قوم غداروں اور قوم فروشوں کے دھوکے میں نہ آجاتی تو آج میری قوم کی قربانیاں موجودہ حالت سے کہیں زیادہ ہوتیں، مگر افسوس ہے کہ روپیہ کی قلت کے باعث جمعیۃ علمار ہند سرکار پرستوں کا پورا پورا مقابلہ نہ کرسکی۔ سرکار پرستوں کے اخبار آزاد۔ زبانیں آزاد۔ پریس آزاد۔ جمعیۃ علمار کے اخبار سے ضمانت، کارکن گرفتار۔ پریس کا طباعت سے انکار۔ اگر میں ان مصیبتوں میں نہ مبتلا ہوتا تو تم کو دکھاتا کہ مسلمان قوم آزادیٔ وطن پر کس طرح مر مٹنے کو تیار رہے۔ میں سچ کہتا ہوں مسلم قوم انگریزوں کی دوست نہیں ہے۔ بلکہ بعض مسلمان ایسے غدار ہیں۔ جو میری قوم کی جہالت اور سادگی سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ یہ غداری اپنی ذاتی اغراض کے لئے بھولے بھالے مسلمانوں کو جال میں پھنسا لیتے ہیں۔ انھوں نے کانگریس کی تحریک کو ہندو تحریک کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ بیچارے مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ میاں ہندوؤں کے کام میں ہم اپنی جان کیوں دیں۔ پھر حقوق کی وہ رٹ لگائی کہ غریب مسلمان سمجھے کہ میاں واقعی ہندو ہمارے حقوق دینا نہیں چاہتے۔ پھر ہم کیوں لڑیں۔ پہلے حقوق ملجائیں پھر لڑینگے۔ لیکن ان غریبوں کو کیا خبر کہ جو ملت فروش حقوق کا نام لیکر مسلمانوں کو روک رہے ہیں۔ وہ حقوق کے بعد بھی ہرگز لڑنے کو تیار نہ ہونگے، جن کمبختوں کو گھر میں بیٹھے بٹھائے مفت کا لقمہ ملجائے وہ کیوں لڑیں۔

حقوق کی بحث

صاحبو! یہ حقوق کا قصہ ایسا ہے، جب تک فریقین نیک نیت نہ ہوں

کبھی طے نہیں ہو سکتا۔ ہندو کی خواہش ہو کہ میں ایک پیسہ بھی نہ دوں، اور مسلمان چاہے کہ میں روپے سے کم نہ لوں تو تمہیں بتاؤ کہ معاملہ کس طرح سے طے ہو سکتا ہے۔ نیشلسٹ مسلمانوں کا تم کو اعتماد نہیں، جمعیتہ علماء پر تم کو بھروسہ نہیں۔ جو لوگ سمجھوتہ کر سکتے ہیں، اُن پر تو تم اعتبار نہیں کرتے۔ انگریز چاہتا ہے سمجھوتہ نہ ہو۔ ذرا پوزیشن ملاحظہ کیجئے۔ پنڈت موتی لال آنجہانی اعلان کریں کہ مسلمانوں کا مذہب اُن کی زبان کی تہذیب وغیرہ کو محفوظ رکھا جائے گا تو جناب مسلمانوں سے کہیں دیکھو دُھوکا ہے اس سے بچنا۔ کانگریس مکمل آزادی کا اعلان کرے تو جناب فرمائیں خبردار مسلمانو! ہوشیار رہنا تم کو پھنسانے کے لیے جال بچھایا جا رہا ہے۔ گاندھی جی کوئی اعلان کریں تو آپ کبھی تین مُنہ کا گاندھی کہیں کبھی چار مُنہ کا گاندھی کہیں غرض تمام دُنیا دھوکے باز، مکّار، عیّار، نیشلسٹ مسلمان ہندو پرست اور کافر، لیکن اگر لارڈ اروِن اعلان کریں کہ اقلیت کا خیال رکھّا جائے گا۔ اور جو لوگ اس تحریک میں وفادار رہے ہیں، اُن کے حقوق کا ہم بھی خیال رکھیں گے تو بس وائسرائے کا اعلان قابل اعتماد ہی نہیں، بلکہ قرآن کی آیت ہے۔

اقلیّت کا تحفظ

بھلا اس کھلی ہوئی بے ایمانی کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ حکومت کا اعلان تو قابل اعتماد سمجھا جائے، اور مسلمانوں کو کافر سمجھا جائے۔ خدا کی قسم ان حکومت پرستوں سے اگر آج انگریز کہدے کہ ہم ویٹج نہیں دینگے، اور پنجاب و بنگال میں اکثریت بھی نہیں دینگے، انتخاب بھی مخلوط کر دیں گے، تو یہ کمبخت خوشی خوشی مان لیں گے، ایک دو تجویزیں تو شاید اظہار ناراضگی کی پاس کرادیں، اور اس سے زیادہ کان تک نہ ہلائیں گے، جن ضمیر فروشوں کی یہ کیفیت ہو وہ آج بدقسمتی

سے مسلم حقوق کے نگہبان بنے ہیں۔ انگریز کہتا ہے ہم اقلیت کا تحفظ کرینگے، یہ کہتے ہیں حضور ہم گول میز کانفرنس میں آپ کے اختیارات کو وسیع کرینگے، گورنروں اور گورنر جنرل کے اختیارات اتنے زیادہ کرادیں گے کہ وہ جب چاہیں اپنے اختیارات سے قومی تحریکات کو کچل کر رکھ دیں۔

چوٹی کتیا اور جلیبیوں کی رکھوالی

ان کمبختوں کے نزدیک انگریز کے حقوق کے تحفظ کو مسلم حقوق کا تحفظ کہتے ہیں۔ غضب خدا کا نام تو لیتے ہیں مسلم حقوق کا لیکن ان کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے انگریز کا تحفظ کیا جائے، بیچارے مسلمان ہیں کہ وہ ان کو ایماندار سمجھ کر ان کے مشوروں پر عمل کر رہے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان جاں نثاران حکومت اور فدا کاران انگریز نے مسلم حقوق کی چادر منہ پر ڈال رکھی ہے۔ اگر کوئی خدا کا بندہ ہمت کر کے انکے منہ سے چادر ہٹادے تو دیکھے کہ سر سے پیر تک ان کا مقصد انگریزی حکومت کو مضبوط کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، یہ ظالم بھیڑیئے ہیں، جنہوں نے بھیڑ کی کھال زیب بدن کر رکھی ہے۔ انھوں نے انگریزوں سے وعدہ کیا ہے کہ ہم سمجھوتہ میں ایسی رکاوٹیں پیدا کریں گے کہ ہندو مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع نہ ہونے دینگے۔ اس وقت حکومت کی کامیابی اس پر ہے کہ ہندو مسلمانوں کا سمجھوتہ نہ ہونے دیا جائے تاکہ حکومت یہ کہہ سکے کہ جب ملک میں باہمی اتحاد نہیں ہے تو ذمہ دار حکومت کس طرح دیجا سکتی ہے۔ معاف کیجئے یہ اعتراض میرا صرف مسلمانوں پر نہیں ہے، بلکہ ہندوؤں پر بھی ہے۔

کم وبیش دونوں ہی قوموں میں ایسے غدار ہیں جو سمجھوتے کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے ہیں، مسلمان چاہتے ہیں کہ اس وقت ہندوؤں کی ٹانگ

پھنسی ہوئی ہے۔ جتنا دبایا جائے دبا دو۔ اِدھر انگریز سمجھا رہا ہے کہ دیکھو دب کر معاملہ نہ کرنا۔ اگر انصاف سے چھ آنے نکلتے ہیں تو نو آنے سے کم نہ لینا۔ جبتک تم راضی نہ ہوگے ہم سوراج نہیں دے گا۔ ادھر ہندؤں کی یہ حالت ہے کہ وہ چاہتا ہے میاں کو چھ آنے کے دو آنے ہی دیکر ٹال دو۔ انگریز اس کو بھی سمجھاتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں سے دبکر نہ رہنا۔ غرض دونوں قوموں میں رسہ کشی ہورہی ہے۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے مسلمان کسی ایک مطالبہ پر جمع ہو جائیں اور موقع پر اپنی پوری یگانگت اور اتحاد کا ثبوت دیں، اگر مسلمانوں نے کوئی متفقہ مطالبہ پیش کیا تو میں یقین دلاتا ہوں کہ ہندوؤں کا اس سے انکار کرنا ناممکن ہوجائیگا۔ اس موقع پر اتنا میں ضرور عرض کرونگا کہ متفقہ مطالبہ وہی ہوسکتا ہے جو معقول ہو۔ کسی نامعقول مطالبے پر اتفاق ہونا۔ غیر ممکن ہے۔

اگرچہ آپ کو معلوم ہے کہ میں تو ٹرا پرانے خیال کا مسلمان ہوں، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ سب سے بڑا حق مسلمانوں کا یہ ہے کہ یہ ملک موجودہ حکومت کی نجاست سے پاک ہوجائے۔ اور بس اگر سات کروڑ مسلمانوں نے کچھ نقصان اٹھاکر بھی دنیا میں امن قائم کردیا تو مخلوق خدا کی سب سے بڑی خدمت ہوگی، اب تمام دنیا میں عموماً اور خصوصاً عالم اسلامی میں امن جب ہی قائم ہوسکتا ہے۔ جب ہندوستان آزاد ہوجائے۔ ہم نے تو اپنے بزرگوں سے ۱۹۱۹ء میں یہاں تک سنا تھا کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اگر تباہ ہوتے ہیں تو ہوجانے دو، لیکن عالم اسلام کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو بچالو۔ لیکن اب سنتے ہیں کہ وہی بزرگ کچھ ایسی قلابازی کھاگئے ہیں کہ فرماتے ہیں، اگر ہماری ایک سیٹ بھی کم ہوگی تو ہم انگریزوں کے ساتھ ہوجائیں گے۔ اور آزادی وطن کی تحریک کو خاک میں ملادینگے ؛

بڑوں کی بڑی باتیں

بھائیو! بڑوں کی بڑی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات میں ان بزرگوں کی شان میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ سات کروڑ مسلمانوں کی تباہی کے ساتھ بھی آزادی سستی تھی۔ اور آج ایک سیٹ اور ایک چھوٹی سی ملازمت کے مقابلے میں بھی آزادی گراں سمجھی جاتی ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ شاید کل تک اور کوئی قلابازی نمودار ہو جائے۔ آخر انقلاب کا زمانہ ہے۔ اگر اس دور میں آلٹا پلٹی نہ ہو تو بات ہی کیا ہے۔ کل تک مسلمانوں سے چندہ کر کے مسلمانوں کو کانگریس میں شریک کیا جاتا تھا۔ کل اگر کوئی سمجھوتہ کا نام لیتا تھا تو اس کو بے ایمان اور ڈرپوک کہا جاتا تھا۔ لیکن آج اگر کوئی کانگریس میں شریک ہوتا ہے یا تصفیہ حقوق کو قبل از وقت سمجھکر تحریک سول نافرمانی میں شریک ہو جاتا ہے تو اس کو سب سے بڑا بے ایمان خیال کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس دُنیا کی بھی عجیب حالت ہے۔

کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات

کل تک خدا کی شان ہے کہ ہندو پر افغانستان کا ہوّا سوار تھا، اور آج مسلمانوں پر ہندو راج کا ہوّا سوار ہو گیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مُلک پر نہ افغانستان ہی قبضہ کر سکتا ہے، اور نہ ہندو ہی ہماری مرضی کے خلاف یہاں حکومت کر سکتا ہے۔ یہ محض حکومت کی ترکیبیں ہیں۔ جو دونوں قوموں کو آپس میں لڑانے کے لیے کرتی رہتی ہے۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکتے تو پھر خدا کے لیے سوراج کا نام لینا چھوڑ دو، اور کچھ دنوں اور ذلت و خواری کی زندگی اختیار کرو۔ اور جب خدا کو منظور ہوگا۔ اور تم دونوں قوموں میں باہمی

رواداری پیدا ہو جائے گی تو دیکھا جائیگا۔ لیکن اگر ایمانداری کے ساتھ ملک کے بہت بڑے طبقے میں صحیح اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے تو ہر فریق کو چاہیئے کہ وہ اپنی اپنی ملت کے افراد کو سمجھوتہ پر مجبور کریں۔ ہمیں نہایت دیانتداری کے ساتھ اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے مطالبات کہانتک معقول ہیں۔ مانگنے کو تو سب کچھ مانگا جا سکتا ہے مانگنے کو تو آپ ہندوؤں سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں ہندوستان کی حکومت دیدو اگر ہندو انکار کریں تو غل مچانا شروع کر دو کہ دیکھئے صاحب ہندو سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہندو مسلمانوں کو حق دینا نہیں چاہتے۔ اس لئے ہم انگریزوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اگر مسلمانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو یہ کوئی بہتر طریقہ نہ ہوگا، اور تمام الزام مسلمانوں کے سر آجائے گا۔ ہم کو صرف اپنے حقوق کا تحفظ مقصود ہے۔ اگر ہندو ہمارے حقوق کا تحفظ کر دیں تو ہمیں خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہیئے۔ اگر آپ کا مطالبہ معقول ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندو تسلیم نہ کریں۔ اور اگر مسلمانوں نے کوئی معقول اور متفقہ مطالبہ پیش کیا اور پھر بھی ہندوؤں نے اُسکے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو پھر ہم اپنے معقول مطالبے کو آزادی حاصل ہونے تک ملتوی کر دیں گے اور اس وقت کا انتظار کریں گے کہ جب اپنے معقول مطالبے کو اپنی طاقت اور قوت سے منوا سکیں لیکن ہندوؤں سے خفا ہو کر انگریزوں سے جا ملنا یا جنگ آزادی سے روٹھ کر بیٹھ جانا اور وطن کی آزادی میں روڑے اٹکانا یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندو ذہنیت کے تبدیل ہونے تک ہم عالم اسلامی کی آزاد حکومتوں کو انگریزوں کا غلام بنا دیں، اور جب ہندوستان کو سوراج ملے تو تمام دنیائے اسلام یورپ کی غلام بن چکی ہو آزادی کے لئے جنگ تو بہر حال کرنی ہے۔ اگر تصفیہ حقوق سے قبل ہو تو چشم ما روشن دلِ ما شاد، ورنہ ایک فائدہ تمام فوائد پر مقدم ہے۔ وہ تو کہیں گیا ہی نہیں، یعنی برطانوی حکومت کو آشنا شل کر دیا جائے

کہ یہ غلام ساز حکومت آئندہ دُنیا کو غلام نہ بنا سکے۔ باقی رہے ہمارے حقوق تو وہ کہاں جاتے ہیں۔ وہ تو آپ کی دُعا سے آپ کے قدموں میں پڑے ہیں۔ اگر ہندوستان کا شمال مغربی حصّہ آزاد ہو جاتا ہے تو جنوبی ہند میں آپ کے حقوق کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ آخر آپ کا دم کیوں نکلا جاتا ہے۔ آپ مسلمانوں کو کیوں خواہ مخواہ اکثریت کا خوف دلا کر مرعوب کئے دیتے ہیں۔ آپ نے ایک سبق یاد کر رکھا ہے کہ اندرونِ ملک میں ہندو مسلمان کو کچلے گا۔ اور باہر سے انگریز کو کہے گا کہ تو مسلمانوں کو کچل۔ گویا مسلمان ان دو کچلاؤں میں آجائیگا۔ انگریز اس لئے بیٹھا رہے گا کہ جب ہندو حکم کرے وہ مسلمانوں کو کچل دے۔ اگر انگریز ایسا ہندو کے حکم کا تابع ہے تو پھر انگریز کا کیوں ساتھ دے رہے ہو کسی کنوئیں میں جا کر ڈوب مرو۔ ایسے کا ساتھ دے رہے ہو جو کل اس پوزیشن میں ہو گا کہ باہر سے بیٹھا بیٹھا تمہارا سر کچلا کرے گا۔ اگر وہ اتنی طاقت کا مالک بن کر بیٹھا رہے گا تو یاد رکھو کہ کبھی کبھی ہندو کو بھی کچلا کرے گا۔ یہ ہی نہیں ہو گا کہ تم کو ہی کچل کچل کر ادموا کر دے۔

حضرات! میرا مطلب آپ سمجھ گئے ہونگے۔ میں کہتا ہوں کہ اب انگریزوں کے اشارے پر ناچنا چھوڑ دو۔ جو کچھ کرنا چاہتے ہو، اپنے نفع نقصان پر غور کرو۔ اور تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر سوچو، کہ مسلمانوں کا تحفظ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے تحفظ کی جانب سے اطمینان ہو جاتا ہے تو پھر فیصلہ کچھ دشوار نہیں۔ خدا کے لئے اب اپنے ملک سے غدّاری نہ کرو۔ وطن کی غدّاری سے تم انگریز کو فائدہ پہونچا دو گے۔ اور انگریز تم کو تحفظات کا نام لے کر دھوکہ دیدیں گے۔ تم بیوقوف یہ سمجھ لو گے کہ ہمارے فائدہ کی بات ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ تمہارے فائدہ کی نہ ہوگی۔ بلکہ حکومت

کے فائدہ کی ہو گی۔

فلسطین میں اکثریت کی پامالی

میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ حکومت تمام دُنیا سے محبت کرنے کو تیار ہے۔ لیکن اس کے دل میں مسلمانوں کی جگہ نہیں ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریز کی ہمدردی ہندوؤں کے ساتھ اس لئے ہے کہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ لیکن میں دریافت کرتا ہوں کہ فلسطین میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک صوبہ قائم نہ ہو جائے۔ فلسطین میں کونے کونے سے یہودی لاکر بسائے جا رہے ہیں۔ تاکہ یہودی اقلیت کا نام لے کر مسلمانوں کو دبایا جائے۔ غرض ہر جگہ انگریزوں کے سامنے اپنا مطلب ہے۔ انہیں جناب سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ پھر ایسی حالت میں آپ انگریز کی خوشنودی کے لئے کیوں اپنے کو تباہ کئے دیتے ہیں۔

صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد

ایک ہی بات اگر نیشلسٹ مسلمان کہتے ہیں تو غل مچانا شروع کر دیتے ہو اور مسلم حقوق کا ماتم کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ لیکن وہی بات انگریز جب کہہ دیتا ہے تو خوشی خوشی راضی ہو جاتے ہو۔ نہرو رپورٹ میں صوبہ سندھ کی مالی حالت پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنتی ہے تو تم آسمان سر پہ اُٹھا لیتے ہو۔ جگہ جگہ روتے پھرتے ہو کہ ہائے صوبہ سندھ کے مسلمانوں کو مروا دیا۔ اس نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی ہڈیاں دفن کر دی گئی ہیں۔ اور جب انگریز

کہہ دیتا ہے کہ جب تک کوئی کمیٹی یہ اطمینان نہ دلا دے کہ صوبہ سندھ اپنا خرچ بمبئی سے علیحدہ ہو کر برداشت کر سکتا ہے۔ اس وقت تک سندھ کو کیسے علیحدہ کیا جا سکتا ہے تو تم فوراً کہہ دیتے ہو کہ ہاں صاحب یہ بات بالکل معقول ہے۔ جب تک ہم خرچ کے متعلق اطمینان نہ دلائیں سندھ کی علیحدگی کا کیسے مطالبہ کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کے لئے ذمہ دار گورنمنٹ لینے جا رہے ہو، اور ذہنیت کا یہ حال ہے کہ کانگریسی مسلمان کو بے ایمان کہتے ہو، اور انگریز کے مشورے کو خالص اسلامی اور مذہبی مشورہ سمجھتے ہو۔ صوبہ سرحد کو مساویانہ حقوق عطا کرنے کا مشروط فیصلہ اور اس کے ساتھ سرحدی قبائل کو ایک نیا صوبہ بنانے کی اسکیم سے تمہاری تیوری پر بل نہیں پڑتا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو صوبہ نیا بنایا جائے گا۔ اس میں بھی وہی ظالمانہ قوانین نافذ ہوں گے، جن کو آج رو رہے ہو۔ اور یہ ظالمانہ قوانین خالص اسلامی آبادی پر جاری کئے جائیں گے۔ گویا اب آفریدیوں، مہمندیوں اور مسعودیوں کو بات بات میں پھانسی دی جایا کرے گی۔ انگریز کا کیا بگڑا اس نے ایک صوبہ کو مساویانہ حقوق دیکر اور آگے قدم بڑھا لیا اور اور ہندوستان کی سرحد پر ایک جدید صوبہ کا اضافہ کر کے اپنی حدود کو افغانستان سے جا ملایا۔ لیکن تم مسلمانوں کے سامنے سرخرو ہو کر یہی کہتے جاتے کہ دیکھو موتی لال نے صوبہ سرحد کے حقوق کی مخالفت کی تھی۔ لیکن انگریز نے مسلمانوں کے مطالبہ کو مان لیا۔ غریب مسلمانوں کو کیا خبر کہ انگریز نے بائیس لاکھ کو مفروضہ آزادی دیکر اور دس لاکھ نیم آزاد قبائل کے مسلمانوں کو غلام بنا لیا ؂

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

وحدتِ اسلامی
کا
پُرجوش مظاہرہ

برادرانِ ملت! مسئلہ کشمیر پر ابتک اتنی مفصل اور مبسوط تقریریں ہو چکی ہیں کہ میرے خیال میں اب کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے بیشتر فاضل مقررون نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، میں اُن حضرات سے زیادہ کیا عرض کر سکتا ہوں۔ سوال تو تیس لاکھ انسانوں کے حقوق انسانیت کا ہے۔ اگر مہاراجہ کشمیر کے وزراء ریاست کے ساتھ غداری نہ کرتے تو یہ سوال ابتک طے ہو چکا ہوتا۔ ریاست کے نمکحرام وزراء نے مہاراجہ کو غلط مشورہ دے کر ریاست کو تباہ کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ ابتداء جھگڑا مہاراجہ سے تھا۔ اگر مہاراجہ کو مجلس احرار کے ساتھ آزادی سے گفتگو کا موقع دیا جاتا تو یہ مسئلہ نہایت عزت کے ساتھ طے ہو جاتا۔ احراری جماعت نے نہایت صاف طور پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ہم مہاراجہ کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے اور نہ انگریزوں کی مداخلت کو پسند کرتے ہیں۔ ان خیالات کو ظاہر کر دینے کے بعد کوئی شخص یہ شبہ کر سکتا ہے کہ مہاراجہ اور احراری جماعت کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہو جاتا۔ لیکن کشمیر کے وزراء کی

غداری اور حکومت برطانیہ کی بے موقع مداخلت نے معاملے کو اہم کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ایک سخت مشکلات میں پھنسا دیا۔

گورنمنٹ سے لڑنا مقصود نہیں

معزز حضرات! مسلمانوں کا مقصد ہرگز انگریز سے لڑنا نہ تھا۔ لیکن انگریز نے خواہ مخواہ مداخلت کر کے ہم سے لڑائی مول لی، اور اب انگریز نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان کا قدم پیچھے نہیں ہٹا کرتا اس کی تاریخ میں ایسے واقعات بہت کم ملتے ہیں کہ مسلمان نے میدان میں قدم رکھ کر پیچھے ہٹایا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مہاراجہ کے سامنے تو جما رہتا لیکن انگریز کے آتے ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا۔

جنگ بدر میں کیا ہوا

میرے عزیزو! جنگ بدر میں بھی مسلمان ایک قافلے کو گرفتار کرنے گئے تھے، لیکن مقابلہ میں ابو جہل کا لشکر آ گیا تھا تو کیا مسلمان ابو جہل کے لشکر کو دیکھ کر بھاگ آئے تھے۔ ابو جہل کا سامنے آ جانا مسلمانوں کے حق میں مفید ہی ہوا۔ طبیعت انسانی اگرچہ آسان چیز کو چاہتی ہے لیکن خدا تعالیٰ تو کچھ اور ہی چاہتا تھا۔ وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین۔

مسلمان کی گذشتہ تاریخ

میرے دوستو! مسلمانوں کی تاریخ کا کون سا ورق ہے۔ جس پر خون

کی چھینٹیں پڑی ہوئی نہیں۔ جس دن سے نادر تق اعظم محراب میں شہید ہوئے ہیں۔ اس دن سے بہادر شاہ کو رنگون لیجاتے وقت تک جناب کی تاریخ کا کونسا ورق ہے۔ جس پر سُرخ دھبے نہیں ہیں۔ مسلمان ہمیشہ میدان جہاد میں مرا ہے، یا جیل خانے کی سلاخوں میں اس کی موت آئی ہے۔ آج بھی دہلی کے کھنڈرات میں کسی پتھر کو اُٹھا کر دیکھو گے تو اس کے نیچے سے مسلمان کا خون اُبلتا ہوا نظر آئے گا مسلمان نے ہمیشہ خون سے ہولی کھیلی ہے، اور جب وہ میدان میں خدا کے بھروسہ پر اُترا ہے، تب ہی فتح اور کامرانی نے بڑھکر اس کی بلائیں لیکر قدم چومے ہیں۔

کِسریٰ کے دربار کا واقعہ

حضرات! ایک دفعہ شاہ کسریٰ نے عرب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر اپنے وزراء سے دریافت کیا تھا کہ اس عرب کی قوم کو کیا ہو گیا ہے انکی کھنڈی تلواریں نکلے سے تیر کبھی آجتک قابل اعتبار نہ تھے، جب کبھی عرب نے سر اُٹھایا میری فوج کے ایک دو دستے نے جاکر کچل ڈالا، لیکن آج انکی یہ حالت ہے کہ جس طرف جاتے ہیں۔ دشمن کی فوجوں کے پرے کے پرے چیرتے چلے جاتے ہیں۔ کسریٰ کے اس سوال کا جواب بعض حاشیہ نشینوں نے دیا کہ جہاں پناہ مسلمان ایک بھوکی قوم ہے۔ جب لڑتی ہے تو اس توقع پر لڑتی ہے کہ اگر کامیاب ہو گئے تو دشمن کے خزانہ لوٹ لیں گے۔ اور اگر مر گئے تو فاقوں کی موت سے اچھے مر رہیں گے۔ لیکن ایک سمجھدار وزیر نے ادب سے عرض کیا حضور اگر میری جان کو امان دیا جائے تو میں عرض کروں۔ بادشاہ نے اجازت دیدی تو اُس وزیر نے کہا حضور مجھے مسلمانوں کی فوج کا تجربہ ہے۔

دن بھر ان کا سپاہی گھوڑے کی پشت پر جہاد کرتا ہے۔ اور رات کو وہی مصلےٰ پر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتا ہے۔ اے بادشاہ اگر مسلمان میدان جہاد میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ مصلےٰ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دشمن پر فتحیاب ہو جاتا ہے۔ بادشاہ ایسی قوم کے مقابلے میں کامیاب ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میرے دوستو! یہ جمود تو چند سالہ ہے، ورنہ تمہاری تو تمام عمر اسی میں کٹی ہے۔

جیل خانہ عزت کا مکان ہے

برادران ملت کیا تمہارے لیے جیل کوئی نئی چیز ہے، ارے میرے پیارو! ہتکڑیاں بیڑیاں تو ہمیشہ تمہارا زیور رہا ہے۔ کیا حضرت امام احمد بن حنبل جیلخانے نہیں گئے۔ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جیل خانے میں وفات نہیں پائی کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہ کالا کر کے اونٹ پر بٹھا کر تشہیر نہیں کی گئی۔ کیا زین العابدین اور موسیٰ کاظم کو ہتکڑیاں، بیڑیاں نہیں پہنائی گئیں۔ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کون جیل خانہ نہیں گیا۔ میں تو کہتا ہوں بعض مواقع پر جیل کی تمنا کی گئی ہے جیل کو آزادی پر ترجیح دی گئی ہے، کیا حضرت یوسف کا قول یاد نہیں۔ رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ کیا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گوالیار کے قلعے میں قید نہیں رہے۔ آخر تمہارے لیے جیل خانہ کونسی نئی چیز ہے، جس کے لیے پس و پیش کیا جائے۔

حجاج بن یوسف ثقفی کا واقعہ

صاحبو! آج رضا کاروں کو تلقین کی جاتی ہے کہ معافی نہ مانگنا۔ شاید آپ حجاج کو تو جانتے ہوں گے۔ عہد مروانی کا ایک ایسا ظالم امیر ہے جس نے

ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ اور تابعین کو جبراً قتل کیا ہے۔ اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہنا پڑا کہ امم سابقہ کے تمام ظالم اگر قیامت میں جمع کئے گئے تو اس اُمت کا حجاج ہی سب ظالموں سے زیادہ ظالم ہوگا۔ اس ظالم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جمعہ کے خطبے میں اہل بیت کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کا خطبہ کچھ طویل ہوگیا، اور نماز کیلئے وقت مستحب سے کچھ تاخیر ہو گئی تو ایک شخص نے اسکے خطبے میں اس کو ٹوک دیا کہ حجاج خطبے کو ختم کرو نماز کو دیر ہو رہی ہے، آپ جانتے ہیں، حجاج کو ٹوکنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ حجاج نے اشارہ کیا، اور یہ شخص نماز سے پہلے ہی جیل خانہ پہنچادیا گیا۔ نماز کے بعد بعض مصاحبین نے حجاج سے عرض کیا حضور فلاں شخص کو آپ نے جیل میں بھیج دیا وہ تو پاگل ہے۔ اکثر اسی طرح بے موقع بول اٹھا کرتا ہے۔ حجاج نے کہا اس نے سخت گستاخی کی ہے، میری تقریر میں مجھے اس نے ٹوک دیا۔ خیر اگر آپ لوگ کہتے ہیں تو میں اُسے رہا کر دونگا، بشرطیکہ وہ معافی مانگ لے، یہ لوگ خوشی خوشی جیل خانے پہنچے، اور اُن بزرگ کو ملامت کی کہ آپ ایسے ظالم کے مقابلہ میں بول پڑے، حالانکہ آپ اُس کی عادت سے واقف ہیں۔ ہم نے بڑی کوشش سے معاملہ کو سلجھایا ہے۔ اس اللہ کے بندے نے دریافت کیا جناب نے معاملہ کو کس طرح سلجھایا، یہ بولے تم معافی مانگ لو تو رہا کر دیئے جاؤ گے ....

...... لیکن اُس نے نہایت بے اعتنائی سے کہا چہ خوش تمام عمر میں ایک ہی تو کلم کیا ہے، اُسی کی معافی مانگ لوں۔ ایک ظالم کے سامنے میں نے سچی بات کہی ہے۔ افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔ تم اچھا مشورہ لیکر آئے۔ میں معافی طلب کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ یہ لوگ مایوس ہو کر چلے آئے۔ اگرچہ حجاج نے پھر بدون معافی ہی کے ان کو رہا کر دیا۔ لیکن اس مجاہد نے

معافی کو ٹھکرادیا۔

معافی کا قصہ بھی کوئی نیا نہیں ہے۔ یہ منزل بھی ہماری دیکھی بھالی ہے۔ ہم خواہ مخواہ کسی سے نہیں اُلجھتے۔ لیکن جب ہم سے کوئی اُلجھ جائے تو پھر ہمارا کام میدان سے ہٹنا نہیں ہے۔

ہز ہائینس آغا خاں کا مشورہ

آج ہز ہائینس مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ قافلوں کی روانگی بند کردو۔ گورنمنٹ سے مسلمان نہ ٹکرائیں۔ اگرچہ وہ جس نقطۂ نگاہ سے فرمارہے ہیں وہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے جدا ہے۔ اُن کا مطلب تو یہ ہے کہ گورنمنٹ اس وقت مسلمانوں پر مہربان ہے، اور مسلمانوں کو اُن کی غداری کا صلہ ملنے والا ہے۔ اس وقت مسلمان کوئی حرکت ایسی نہ کریں۔ جس سے گورنمنٹ ان سے ناراض ہوجائے، اور جو توقعات ہم کو ملت فروشی اور وطن کی غداری کے بعد حاصل ہونے والی ہیں۔ اُن سے مسلمان محروم کردیئے جائیں۔ اسلئے اس وقت مسلمانوں کو گورنمنٹ سے لڑنا نہیں چاہیئے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم ہز ہائینس کی رائے سے متفق نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریز مسلمانوں کو بیوقوف بنارہا ہے وہ مسلمانوں کی اعانت سے کانگریس کو فیل کرانا چاہتا ہے، مسلمانوں کو چمار بھنگیوں، عیسائیوں، یورپینوں، اینگلو انڈین وغیرہ کے ساتھ ملاکر یہ چاہتا ہے کہ گاندھی جی کو شکست دیدے، اور مرکزی ذمہ داری کے سوال کو کھٹائی میں ڈالدے۔ گورنمنٹ مسلمانوں کو احمق بناکر اپنا کام نکالنا چاہتی ہے۔ میں آغا خاں بالقابہ اور اُن کے اندھے، اور خود غرض متبعین سے کہدینا چاہتا ہوں کہ اگر کانگریس کو شکست دیدی گئی تو مسلمانوں کے ساتھ

وہی سلوک ہوگا، جو بنگال میں میر جعفر کے ساتھ ہوا تھا۔ اس سے زیادہ کی انگریز سے توقع نہ رکھنا۔ بہر حال ہز ہائینس کا نقطۂ نگاہ کچھ بھی ہو اتنی بات میں ہم اور وہ متفق ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کو انگریز سے لڑنے کی ضرورت نہیں اگر ہز ہائینس چاہتے ہیں کہ یہ جنگ بند ہو جائے تو وائسرائے کو تار دیں۔ کہ وائسرائے آرڈیننس واپس لے لیں۔ اور ہم کو براہ راست مہاراجہ سے معاملہ طے کر لینے دیں۔

ہندو اخبارات اور قومی چولا

معزز حاضرین! میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ایک دیسی ریاست کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ اور مسلمانوں کے پردے میں انگریزوں نے جو فائدہ اٹھایا اس سے جو دکھ میرا قلب محسوس کرتا ہے۔ اسے میں ہی جانتا ہوں میں تو سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں ابتدا ہی سے غلطیاں ہوئیں۔ مہاراجہ نے جو غلطیاں کیں وہ تو کیں۔ خود ہندو اخبارات نے معاملہ کو خراب کر دیا۔ پنجاب کے ہندو اخبارات نے حسب عادت راعی اور رعایا کے معاملہ کو فرقہ وارانہ بنا دیا اور کچھ اس انداز سے معاملہ کو اُلجھایا کہ آخر ایک دیسی ریاست کو تباہ کر دیا۔ اگر ہندو اخبارات بھی اس موقع پر کشمیری مسلمانوں کی موافقت کرتے، اور اس قضیے کو فرقہ وارانہ رنگ نہ دیتے تو قصہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ کشمیری مسلمان بیچارے کون سے مکمل آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تھوڑی بہت اصلاحات اُن کو دیدی جاتیں، اور دس بیس برس کو قصہ ٹھنڈا ہو جاتا، لیکن مہاراجہ کے نمکحرام وزرا نے جو ریاست کو تباہ کرنے کی غرض ہی سے وزیر مقرر ہوئے تھے۔ معاملہ کو اُلجھایا، اور پنجاب کے ہندو اخبارات نے نیک نیتی سے اس معمولی سی بات کو فرقہ وارانہ صورت دیدی۔ کانگریس کی تحریک

میں جس طرح بعض مسلم اخبارات نے اپنے ملک کے ساتھ غداری کی اور حکومت کا ساتھ دیکر دین و دنیا میں اپنا منہ کالا کیا اسی طرح پنجاب کے بعض ہندو اخبارات نے ظالم کی حمایت کر کے اپنی روسیاہی کا اعلان کیا۔ جن ہندو اخبارات نے روپیہ لیکر یہ کام کیا ان کو چھوڑ دیجئے، اس لئے کہ جو روپیہ کے لالچ یا سرکاری اشتہارات کی بدولت ضمیر فروشی کر رہے ہیں وہ تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ اُن بدنصیبوں سے بحث کی جائے۔ وہ ضمیر فروش تو خود ہی ذلت کی موت مر رہے ہیں۔ انکی حیثیت اُس کُتے سے زیادہ نہیں ہے جو ہڈی پھینکتے وقت دُم ہلا دیا کرتا ہے۔ مجھے تو شکایت اُن قومی اخبارات سے ہے۔ جو معاملہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور پھر مہاراجہ کو دبانے کی بجائے مسلمانوں کی مخالفت کر رہے ہیں بعض اخبارات تو کھلم کھلا اسلامی ریاستوں کا نام لے رہے ہیں۔ گویا اب ریاستیں ہندو مسلمانوں کا محاذ جنگ بننے والی ہیں۔ ہندو مسلمان ریاستوں کو تباہ کرینگے۔ اور مسلمان ہندو ریاستوں کو؟ سبحان اللہ اس ملک کے باشندوں کی ذہنیت بھی عجیب و غریب ہے۔ ہندوؤں کا مسلمانوں سے یہ مطالبہ کہ حیدر آباد، جوناگڈھ۔ بھوپال وغیرہ کی رعایا کے حقوق بھی طلب کرو۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ ایک اسلامی ریاست میں، ریاست کی فوج کا معصوم خواتین سے زنا بالجبر اور وہ بھی سر بازار ثابت کر دیں تو سب سے پہلا شخص میں ہونگا، جو جتھا لے کر اس اسلامی ریاست کے خلاف جاؤنگا۔ میں اپنے ان ہندو دوستوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کشمیر کی ڈوگرہ فوج نے سر بازار مسلم خواتین کی عصمت دری نہیں کی، کیا جامع مسجد میں زنا بالجبر کا واقعہ پیش نہ آیا۔ کیا ایک مسلمان محلہ کی عورتوں کو فوج کے لئے حلال کر دینے کا عام اعلان نہیں کیا گیا۔ اگر یہ واقعات ہیں اور ان واقعات پر کشمیر کی زمین کا

ایک ایک ذرّہ گواہ ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر کی حمایت کی جائے۔
دیسی ریاستوں کے رئیس عام طور پر غیر محتاط ہوتے ہیں مسلمان نوابوں اور راجاؤں کے فسق و فجور کی شکایتیں ہمیشہ سُنی جاتی ہیں، لیکن فوج کے سپاہیوں کو اس بیباکی سے عصمت دری کی اجازت دینا یہ تو کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر اسلامی ریاستوں کا نام کیوں لیا جا رہا ہے، میں ریاست کے ان نادان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے قومی چولا نہیں اتارا ہے، ہم تو اس کو بھی قومی کام سمجھ کر کر رہے ہیں۔ ہمارا قضیہ صرف مہاراج سے ہے۔ اور اگر آج بھی ہندو اخبارات اپنا غلط پروپیگنڈا چھوڑ دیں۔ اور انگریز بیچ میں سے ہٹ جائے تو ہم ایک دن میں مہاراج سے باعزت سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔
مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہندو اخبارات آج کیوں اسلامی ریاستوں کا نام لے رہے ہیں۔ کیا ہندوؤں نے حیدر آباد کو تباہ کرنے میں آج تک کوئی کمی کی ہے۔ میں نہایت ادب مگر افسوس کے ساتھ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آجتک پونہ اور سکندر آباد میں کیا ہوتا رہا۔ نظام گذشتہ دنوں جب دہلی میں تشریف رکھتے تھے تو وائسرائے کو ہندوؤں کی طرف سے کسقدر تار دیئے گئے۔ آج جو اعلیحضرت کو مفلوج کر دیا گیا ہے کیا وہ ہندوؤں کی مساعی خبیثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ آج اسلامی ریاست میں انگریزوں کو جس زبردستی کے ساتھ گھسایا گیا ہے کیا یہ ہندوؤں کی وفاداری کا زرّین کارنامہ نہیں ہے۔ برار کی جو مخالفت کی جا رہی ہے۔ کیا وہ مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے؟ آج ایک کشمیر کا صرف معاملہ ہے جس پر ہندو دوستوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ حالانکہ میں نے اپنی تقریروں میں بارہا یقین دلایا ہے کہ ہم صرف تیس لاکھ مسلمانوں کو انسانی حقوق دلانا چاہتے ہیں۔ قادیانیوں

کی برابر مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کشمیر میں انگریزی قبضے کے خواہشمند ہیں۔ اُنھوں نے یہ فتنہ اسی لئے اُٹھایا تھا کہ مہاراج کی خودداری کو پامال کر دیا جائے۔ اور کشمیر کو انگریزوں کے حوالہ کیا جائے۔ لیکن ہماری پہلی شرط یہ ہے کہ انگریزی فوج کو ریاست سے ہٹایا جائے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم اپنی ایمانداری کا ثبوت کس طرح پیش کریں۔ کشمیر کی کمیٹی پر مجلس احرار کو قیاس کرنا صریح ظلم ہے۔ اس میں جس قسم کے لوگ شامل ہیں اُن سے ہر ہندو مسلمان اچھی طرح واقف ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں، اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز کا مقصد پورا ہو چکا جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ ۲۶ر نومبر کو پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر مجلس احرار بیچ میں نہ آتی تو انگریزوں کا مقصد تو جب بھی پورا ہوتا لیکن مسلمانوں کو کچھ نہ ملتا۔ مہاراج کی غفلت۔ پولیس اور فوج کے بے پناہ مظالم۔ نئے وزراء کی بدانتظامی، مرزا محمود کی انگریز پرستی۔ انگریزوں کی دیرینہ تمنا۔ ہندو اخبارات کی فرقہ دارانہ ذہنیت۔ یہ تمام وجوہات ہیں جس نے ریاست کشمیر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ پنجاب کے مسلمان نے اس قدر بیش بہا قربانیاں پیش کی ہیں کہ اب ان قربانیوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو اپنی قدیم روایات کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ میں دہلی کے رضاکاروں سے صرف اسقدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی حرکت ایسی نہ کرنا جس سے دہلی کی بدنامی ہو۔ اپنے رئیس مولانا محمد علی کاندھلوی کی پوری اطاعت کرنا جیل خانے میں جو تکلیف ہو، اس کو برداشت کرنا۔ ہمت نہ ہارنا معافی نہ مانگنا تم کو کتنا ہی دھوکا دیا جائے۔ جب تک کسی کاغذ کی تحریر کو پڑھ کر سمجھ نہ لو۔ اس پر دستخط نہ کرنا۔ عام طور سے جیل میں پنجاب کے ایک غیر موقر اخبار کا ضمیمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کو دکھا کر رضاکاروں سے

معافی نامے حاصل کئے جا رہے ہیں۔ تم اس قسم کی باتوں سے ہوشیار رہنا۔
مجھے حضرت حق کی ذات سے کامل توقع ہے کہ انشاءاللہ تم بہت جلد کامیاب
ہو کر واپس آؤ گے۔ تم اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے جا رہے ہو۔ واللہ
فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ۔ جب تک کوئی شخص
اپنے بھائی کی اعانت کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس اعانت کرنے والے کی مدد کرتا رہتا ہے۔
میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو باعزت کامیاب کرے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد صدر محترم! اور معزز حاضرین! غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ میں ایک مدت سے علیل ہوں۔ نہ کوئی تقریر کرتا ہوں، اور نہ کوئی سفر کرتا ہوں، یہاں بھی علاج کی غرض سے آیا ہوں۔ میرے معالج آپ کے شہر سہارنپور کے مشہور طبیب حکیم سید محمد یامین صاحب ہیں۔ ہر چند کہ میں علاج کی غرض سے آیا تھا۔ لیکن یہاں کی جمعیتہ علماء کے بعض ارکان نے تقریر پر اصرار کیا۔ لیکن جسقدر میں عذر کرتا رہا ہوں اُسیقدر یہ لوگ اصرار کرتے رہے یہانتک کہ میں مجبور ہو گیا اور میں نے کارکنان جمعیتہ سے وعدہ کر لیا۔ پھر اس پر گفتگو شروع ہوئی کہ تقریر رات کو ہو یا دن کو؟ ——— میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں تقریریں کی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تقریر کے لئے دن سے رات زیادہ موزوں ہے۔ رات کو ایک قدرتی سکون ہوتا ہے۔ عام شور و غل سے شب کی تاریکی کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے ——

وجعلنا الليل لباسا وجعلنا النهار معاشا

یعنی رات کو ہم نے پردہ پوش بنایا ہے، اور دن کو ہم نے ضروریات زندگی کے حصول کا ذریعہ تجویز کیا ہے۔ لیکن تقریر کا یہ سکون و اطمینان اس شخص کے لئے امید افزا ہو سکتا ہے۔ جس کی طبیعت صحت سے ہم کنار ہو اور وہ کوئی طویل تقریر کرنا چاہتا ہو۔ چنانچہ ان حضرات کی خواہش تو یہ تھی کہ میں آج رات کو جوبلی پارک میں آپ سے خطاب کروں، لیکن میرا قصد آج قیام کا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس امر پر ان لوگوں سے سمجھوتہ کر لیا کہ یہ آج کے قیام پر اصرار نہ کریں اور میں جمعہ کے بعد تقریر کر دوں۔ جوبلی باغ میں، پھر انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر تقریر ہو جائے گی، بشرطیکہ میری زندگی اور میری صحت نے مساعدت کی۔ میرے معزز دوستو! اس وقت جو نظم منشی ظہور احمد صاحب نے پڑھی ہے، اور جس کا تعلق حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے ہے، اُس نظم نے میرے قلب پر خاص اثر کیا ہے۔ حقیقتاً حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ جو بدسلوکی اُس پاکستانی علاقہ میں کی گئی ہے۔ اُس سے اُن عزائم کا پتہ چلتا ہے، جن کے لئے یہ مطالبہ اختراع کیا گیا ہے۔ غالباً پاکستان ایسا ہی ہو گا، جہاں مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ اسی قسم کا وحشیانہ سلوک کیا جائے گا۔ اُس پاکستان میں علمائے حق کو رائے کی آزادی میسر نہ ہو گی، اور مسٹر جناح کے پاکستان میں اس سے زیادہ اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے، جس پاکستان کی تعمیر مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علیخاں کے ہاتھوں ہو گی، اُس پاکستان میں کیا آپ نماز روزے اور شعائر اسلامی کی چہل پہل دیکھ سکیں گے، بلکہ وہ پاکستانی علاقے تو فسق و فجور کی منڈیاں ہونگی۔ جہاں سب کچھ ہو گا اور نہیں ہو گا تو دین الٰہی

کا تذکرہ کہیں نہیں ہو گا۔

مولانا حسین احمد کی ذاتِ اقدس کا

جس خاندان سے تعلق ہے۔ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔
سادات کا خاندان ہمیشہ ظلم وستم کا نشانہ رہا ہے۔ شاید ہی اس اُمت پر کوئی ایسا دور گذرا ہو گا جس میں سادات کی توہین و تذلیل نہ کی گئی ہو۔ یزید کے زمانہ سے لیکر آج تک ہمیشہ سادات کو اسی قسم کی تکالیف ومصائب سے دو چار ہونے کا موقعہ نصیب ہوا ہے، اور ہندوستان میں تو حکومت برطانیہ کا اقتدار ہی اہل حق کی عزت اور اُن کے خون پر رکھا گیا ہے ؎

تیر بر معصوم مے بارد خبیث بدگہر
آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

صاحبو! یہ مولوی حسین احمد صاحب کی عزت و آبرو کا سوال نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ مسلم لیگ کی موت کا پیغام ہے۔
جس طرح حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مروانی حکومت کی موت کا پیغام تھا اسی طرح سید حسین احمد کا واقعہ لیگ کی موت کا پیغام سمجھئے، انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ لیگ کی لاش بھی حکومت متسلط کے اقتدار کے ساتھ ہی دفن ہوگی، اور کچھ تعجب نہیں کہ جو یہ دونوں مردے ایک ہی قبر میں رکھے جائیں۔ یا ایک سمندر میں غرق ہوں ؎

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا!

حکومت متسلط کا اقتدار

میرے دوستو! میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر یہ مسلم لیگی، مولانا

حسین احمد صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ مولانا کی مسلم لیگ سے تو کوئی لڑائی نہیں ہے۔ مولانا کی جنگ تو حکومت متسلط کے اقتدار سے ہے۔ مولانا بار بار فرما چکے ہیں کہ میری لڑائی حکومت کے اقتدار سے ہے۔ اس جنگ میں مجھے کسی سے بھی اشتراک عمل کرنا پڑے میں کرونگا۔ حضرت مولانا اپنا کام کر رہے ہیں، اور اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ یہ لیگی حضرات اُن کی ایذا رسانی کے درپے کیوں ہیں۔ ان کی انگریزوں سے کوئی رشتہ داری ہے یا یہ انگریزوں کے کوئی قرابت دار ہیں یا ان کی ددھیال یا ننھیال کا انگریزوں سے کوئی تعلق ہے، آخر معاملہ کیا ہے۔ یہ تو ایسے بھپرے بھپرے پھر رہے ہیں۔ جیسے ان کی ہی حکومت چھن رہی ہے۔ انگریز کی حکومت جوں جوں اُس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے، ووں ووں انکی رُوح نکلتی ہے۔ خدا جانے وہ کیا بات ہے جو یہ صاف نہیں بتلاتے، ارے بابا! ہماری تم سے کوئی لڑائی نہیں، تم ہمارے بھائی ہو۔ ہماری تم سے کوئی جنگ نہیں ہم تو اُس حکومت کے اقتدار کو زائل کرنے کے درپے ہیں۔ جس نے ہمارے اقتدار کو دُنیا کے ہر گوشہ سے زائل کیا ہے، اگر تم ہماری مدد نہیں کر سکتے تو خدا کیلئے ہمارا راستہ تو روک کر نہ کھڑے ہو اگر ملک آزاد ہو گیا تو تمہاری اولاد بھی تو فائدہ اُٹھائے گی۔ ہم تو اس ملک کو چھاتی پہ رکھ کر نہیں لیجائینگے۔ ہماری تو قربانیاں صرف تاریخ میں رہجائینگی باقی یہ زمین تو یہیں رہ جائے گی جس کو تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد برتے گی۔ تم تو انگریز کی محبت میں ایسے اندھے ہوئے ہو کہ تم کو نہ مذہب کا پاس ہے، نہ اہل مذہب کا خیال ہے، نہ کسی عالم کے ادب و احترام کا پاس ہے۔ نہ مسجدوں کی آبرو کے تحفظ کا خیال ہے، آخر کچھ تو سوچو کہ کیا کر رہے ہو۔ انگریز تو یہاں ہمیشہ نہیں رہے گا، لیکن ہمکو تم کو تو اسی ملک میں ہمیشہ رہنا ہے، تم نے تو سید پور میں ایسی ناشائستہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے کہ یزیدی

رُوح بھی تھرا گئی ہو گی۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

شاید تم کو معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا گیا اور مظلوم نے ظالم کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی عزت اور بلند کر دیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح منقول ہے کہ حضرت حق مظلوم سے فرماتے ہیں۔ لا نصرنک ولو بعد حین۔۔ کہ تیری مدد ضرور کرونگا، اگرچہ کچھ وقفہ سے ہو، اب تم خدا کے انتقام کا انتظار کرو جو ضرور لیا جائے گا۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد لیا جائے۔ ایک طرف ہمارے لیگی دوست منتقم حقیقی کے انتقام کا انتظار کریں اور دوسری طرف دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کس طرح مظلوم کی عزت کو بلند کرتا ہے۔

سرسید کی تخم پاشی

میرے عزیزو! خدا جانے تم میری رائے سے اتفاق کرو گے یا نہیں میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ سرسید نے فاتح اور مفتوح میں محبت پیدا کرنے کی غرض سے جو تخم پاشی کی تھی۔ آج مسٹر جناح اسی پیداوار کو کاٹ رہے ہیں، یہ علماء کی توہین اور تذلیل سرسید کے دور میں شروع کی گئی تھی اور اسکی غرض یہ تھی کہ علماء کے اقتدار کو اس ملک میں فنا کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو کوئی مذہب کے نام پر اُبھارنے اور برانگیختہ کرنے والا نہ رہے۔ اور ہم جس طرح چاہیں قرآن میں تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر سکیں، آج وہی ہمارے یہ پاکستانی دوست گذشتہ تاریخ کو دُہرا رہے ہیں۔ تاکہ ان کو اپنی من مانی کارروائی کا موقعہ میسّر آجائے۔

دیوبند کے ایک بزرگ کا خط

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے ایک بزرگ نے اپنے کسی عزیز کو خط لکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھے کہ مسلم لیگ کا یہ فائدہ کیا کم ہے کہ مسلمان بھی انگریزوں کی ہر مجلس میں پوچھے جانے لگے۔

سبحان اللہ! مسلم لیگ کی کیا بہترین خدمت ہے، اللہ اللہ! فاتح اور مفتوح کے درمیان ان احسانات کا تذکرہ ہی تو مفتوح کی موت ہے۔ کیا مسلمانوں کا یہی مقصد زندگی تھا جس کو لیگ نے پورا کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہی تو لیگ کا سب سے بڑا نقصان ہے کہ جو مسلمان حکومت متسلطہ کی صورت دیکھنے کا روادار نہ تھا وہ حکومت کے وجود کو اپنی زندگی اور اپنی بقا کا سہارا سمجھنے لگا۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی کوئی اور سیاسی موت ہو سکتی ہے۔ اور کیا مسلمانوں کی اس سیاسی موت کی ذمہ داری مسلم لیگ پر نہیں ہے۔

سہارنپور کے مسلمانو! میں اب تم سے کیا کہوں میں نے اُن بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں جن کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے صوبہ کا لفٹنٹ گورنر جس کا نام غالباً میسٹن تھا دارالعلوم کو دیکھنے آیا تو حضرت شیخ الہند قدس سرہ دیوبند چھوڑ کر مظفر نگر چلے گئے۔ اور باوجود مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم کے اصرار اور درخواست کے انہوں نے دیوبند چھوڑ دیا۔ اور یہ سفر حضرت نے صرف اسلئے اختیار کیا کہ کہیں میسٹن سے اُن کو ملاقات کرنی اور اُس کی صورت دیکھنی نہ پڑے۔

آج انہی کے شاگرد رشید اس امر پر فخر کناں ہیں کہ انگریز ہر معاملہ میں مسلمانوں کو پوچھنے اور منہ تو لگانے لگا۔ مسلم لیگ کی کیسی شاندار خدمت کا اعتراف کیا ہے۔ جب مسلمان کے ذہن کو اس طرح غلامی کی جانب تبدیل کیا جائے گا

اور گورنمنٹ کے ان احسانات کا تذکرہ کرکے اسکو انگریزی حکومت کا شکرگذار بنایا جائے گا۔ تو وہ انگریزی حکومت کے اقتدار کو زائل کرینے والی جماعتوں میں آئے گا یا انگریزی حکومت کی خیر منائے گا۔ ان بزرگوں کے کلمات طیبات کی روشنی مسلمانوں کو ہر اُس تحریک سے دُور لیجائے گی، جو حکومت متسلطہ کے خلاف ہو یا اسکو حکومت کی مخالفت پہ آمادہ کرے گی۔ اگر اس ملک میں چند اور اسی شان کے بزرگ مسلم لیگ کے قصیدہ خواں پیدا ہوگئے تو وہ دن دُور نہیں جبکہ مسلمان بخاری شریف کا ختم پڑھ کر انگریزی حکومت کی بقاء اور استحکام کے لئے دعائیں مانگنی شروع کردیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مصالحت کی کوشش

اسی سوقیانہ روش کی موجودگی میں چاہتے ہو کہ لیگ اور جمعیتہ میں مصالحت ہوجائے، کیا مجھ سے بھی کوئی زیادہ اس امر کا خواہشمند ہوسکتا ہے۔ کیا میں نے بارہا کوشش نہیں کی اور مسٹر جناح کی کوٹھی تک جمعیتہ کے لیڈروں کو نہیں پہنچایا کیا میں نے صوبہ کی جمعیتہ علماء کی طرف سے اُن کی خدمت میں دعوت نامہ نہیں بھیجا۔ میری خط وکتابت تو اب شائع بھی ہوچکی ہے۔ وہ کونسا دن تھا، جس دن میں نے اس کی کوشش نہیں کی، لیکن مسٹر جناح میں یہ صلاحیت کہاں؟ وہ تو ہر جماعت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صلح صفائی کے آدمی ہی نہیں، اُن کو تو واحد نمائندگی کے زعم باطل نے آسمان پر چڑھا رکھا ہے، بین الاقوامی معاملات کیا اس طرح چلا کرتے ہیں، انگریز سے لڑنے کی تو خدا نے اُنہیں توفیق ہی نہیں دی۔ ہندو سے لڑنے چلے ہیں اور اپنے گھر میں اتفاق نہیں تم کو اپنوں سے لڑنے کی فرصت نہیں، تم غیروں سے کیا خاک لڑو گے ۝

باد و ستانت خلاف است و جنگ ترا کے میسر شود ایں مقام

اور اب تو تمہیں مصالحت کی ضرورت ہی نہیں ۔

جمعیۃ علماء اسلام کا قیام

تم نے جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں ایک اور جمعیۃ علماء کی بنیاد رکھدی ہے ۔ جس جمعیۃ علماء کی بنیاد ہندوستان کے مجاہدِ اعظم حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی تم اُس کے مقابلہ میں ایسے علماء کی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے ہو ۔ جنہوں نے ہمیشہ علماء حق کو کافر اور مرتد کہا ہے وہ تو پیشہ ور کفر ساز ہیں ۔ اب تمہارے پلیٹ فارم سے بھی وہ اپنا قدیم شغل پورا کرلیں گے ۔

جمعیۃ علماء یا مسجد ضرار

تم یقین مانو ! کہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء اسلام کا قیام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی کے مقابلے میں مسجد ضرار کا قیام !

بھلا جس جمعیۃ کی بنیاد حکومت متسلطہ کی مخالفت اور اعلاء کلمۃ الحق کی حمایت کی غرض سے رکھی گئی تھی تم اس کا مقابلہ اُس جماعت سے کرنا چاہتے ہو جو کاسہ لیسان ازلی کے کندھوں پر قائم کی جا رہی ۔

افمن اسس بنیانہ علیٰ شفا جرفٍ ھارٍ فانھار بہ فی نار جہنم

کہاں حضرت شیخ الہند ؒ کہاں مسٹر جناح ۔ نواب زادے سر رضا علی ۔ سر فیروز خاں نون ۔ اور سر شفاعت ۔ اگر مسلم لیگ واقعی ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہے ۔ تو اس میں یہ دُنیا بھر کی مُردہ اور مفلوج لاشیں کیوں جمع کی جا رہی ہیں ۔ تمام دُنیا کے پیر زادے ، اور خانوادے مسلم لیگ

کے جنازے پر کیوں اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہے ہیں۔ ایک طرف مسٹر جناح علمار کے اقتدار کو ختم کرنے کے آرزومند ہیں، اور دوسری طرف اپنے ڈھب کے علماء کو منظم کرتے پھرتے ہیں، سُبحان اللہ کیا طریقہ کار ہے۔ جن علمار کی تم جماعت بنا رہے ہو وہ جب اپنی برادری کے نہ ہوئے تو وہ تمہارے کیا خاک ہوں گے۔ مولانا آزاد سبحانی اسکیمیں تو بہت اچھی بنا سکتے ہیں۔ لیکن کیا آج تک کوئی جماعت بھی اُن کے ہاتھوں پروان چڑھی ہے۔ جن سے حلقۂ ربانی اور گاڑھا کانفرنس سرسبز نہ ہو سکے، جو شخص حلقۂ ربانی کو کامیاب نہ کر سکا وُہ حلقۂ شیطانی کی کیا رہنمائی کریگا۔ بہرحال مسلم لیگ یہ حسرت بھی پوری کرلے اور لیگ کے جھنڈے تلے اس قسم کے مشہور بزرگوں کو جمع کر کے دیکھ لے۔

ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین

مسلم پارلیمنٹری بورڈ

میرے معزز دوستو! مجھے تو زیادہ باتیں کرنی نہیں آتیں۔ اور نہ مجھے کوئی لمبی تقریر کرنی ہے۔ میں تو تم سے صرف ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ الیکشن کے لیۓ ایک بورڈ مسلم لیگ نے قائم کیا ہے۔ اس لیگ میں سر فیروز خاں نون بھی ہیں، سر رضا علی بھی ہیں۔ سر ضیاء الدین بھی ہیں۔ راجہ محمود آباد بھی ہیں۔ نواب زادے لیاقت علی بھی ہیں۔ پیر جماعت علی شاہ اور پیر گولڑہ بھی ہیں۔ غرض دنیا بھر کے سر اور سرکار پرست پیر اور سجادے، اور نواب زادے اور خانوادے، اور مست قلندر اور راجہ اور مہاراجہ جمع ہیں اور ایک طرف جمعیتہ علمار ہند کے علمائے ایک الیکشن بورڈ بنایا ہے۔ اس بورڈ میں ہمارے انصاری بھائی ہیں کہ بشک یہ جا پارٹی ہے۔ اور دوسرے ہندوستان کے

آزاد خیال مسلمان ہیں۔ جمعیتہ علمار کی خواہش یہ ہے کہ جمعیتہ علمار کے بورڈ کی طرف سے ایسے مسلمان منتخب کئے جائیں، جو حکومت کے اقتدار سے جنگ کرنے والے ہوں۔ مذہب کا تحفظ چاہتے ہوں۔ جو قانون بنائیں وہ مذہب کی روشنی میں جمعیتہ علمار کے مشورے سے بنائیں۔ اب مجھے بتاؤ اگر مسلم لیگ اور اس کے سرکاری حمایتی اور سرکاری ٹولی کامیاب ہوئی تو حکومت کو خوشی ہوگی یا رنج ہوگا۔ (آوازیں آئیں حکومت کو خوشی ہوگی) اور اگر جمعیتہ علمار اور آزاد خیال مسلمانوں کا بورڈ کامیاب ہوا تو حکومت کو مسرت ہوگی یا افسوس ہوگا۔ (آوازیں آئیں افسوس ہوگا) تو بس اب معاملہ صاف ہے۔ جو حکومت متسلط کو خوش کرنا چاہتا ہے اور جو حکومت کا طرف دار ہے وہ مسلم لیگ کی طرف چلا جائے۔ اور جو حکومت کی خوشی سے بے نیاز ہے، اور ملک کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اور علمار اسلام کا ساتھ دینا چاہتا ہے، اور مذہب کی بقا کا حامی ہے۔ وہ جمعیتہ علمار کے ساتھ آجائے۔

حسنِ اتفاق دیکھئے

کہ آج قاری صاحب نے قرآن کی آیت بھی وہی تلاوت کی جو ہمارے مقصد کو بالکل واضح کرتی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اے ایمان والو! "تم خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ اب تم ہی غور کرو کہ سچا کون ہے۔ کیا وہ اہل علم حق و صداقت کے پیکر ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں یا وہ حضرات صداقت کے مجسمے ہیں جن کا نہ اعتقاد صحیح ہے اور نہ جن کی صورتیں اسلامی تہذیب کے موافق ہیں، جو حضرات یورپین تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ جن کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا وضع قطع سب یورپین طرز کی ہے، وہ قرآن کے نزدیک قابل اتباع

ہیں. وہ لوگ جن کی عمریں اسلام کی اور قرآن کی خدمت میں گذری ہیں، وہ سچے اور قابل اتباع ہیں، جنہوں نے ہمیشہ انگریزی قانون کی حمایت کی وہ خدا کے نزدیک قائد اور متبوع ہو سکتے ہیں. یا وہ لوگ قائد ہونے کے اہل ہیں جن کی صورت اس تہذیب کے موافق ہے جو منزل من اللہ ہے۔ اسی رکوع میں آگے چلکر فرماتے ہیں ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار ۝ تم کوئی قدم بھی ایسا اٹھاؤ گے جو تمہارے دشمنوں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرنے والا ہو تو اس قدم پر بھی تمہارے لئے نیک عمل لکھا جائیگا۔ تم نے ابھی اقرار کیا ہے کہ جمعیۃ علماء اور آزاد خیال لوگوں کی کامیابی حکومت متسلطہ کے لئے موجب پریشانی ہوگی۔ اور اس قسم کی پریشان کن کارروائی پر قرآن وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے عمل صالح لکھا جائیگا۔ پھر اس سے زیادہ اور بشارت کیا چاہتے ہو۔

پاکستان یا السٹر

میں اپنے لیگی دوستوں سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ بتاؤ تم پاکستان چاہتے ہو یا ہندوستان میں السٹر کی بنیاد رکھنا چاہتے ہو۔ میرے عزیزو! اس پاکستان میں کیسی حکومت ہوگی ؟ کیا ایسی حکومت ہوگی، جیسی خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے، اچھا خلفائے راشدین کو جانے دیجئے. مسٹر جناح اور راجہ محمود آباد کی موجودگی میں تو خلفائے راشدین کا تصور اور اُن کا نام لینا بھی گناہ ہے۔ بتاؤ کیا پاکستان میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز جیسی حکومت ہوگی۔ عمر بن عبدالعزیز کو بھی جانے دو، کیا ایسی حکومت ہوگی جیسی ہارون الرشید کی تھی، ہارون رشید کو بھی چھوڑیئے، پاکستان میں ایسی حکومت ہوگی، جیسی شاہجہاں اور اورنگ زیب حکومت کیا کرتے تھے، اگر

شاہجہاں اور عالمگیر کی سی حکومت ہوگی اور تم اس کا ذمہ دارانہ اعلان کردو تب بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ہمدردی آپ کے ساتھ ہوگی، اور میں تمہارے ساتھ ملکر ایسی حکومت قائم کرنے کی سعی کرونگا۔ لیکن اگر وہ پاکستانی حکومت اسی انگریزی جمہوریت کی حکومت ہو، اور وہ پاکستان گورنمنٹ برطانیہ کی زیر سرپرستی قائم ہو اور اس میں پینتالیس یا چالیس ہندو اور سکھ شامل ہوں اور سرچھوٹو رام اور سر ٹیکا رام، بہنجو رام کے ساتھ ملکر حکومت چلانی پڑے تو وہ پاکستان نہیں، وہ تو الٹا ہوگا۔ ایسے گندے پاکستان کیلئے مسلمانوں کو کیوں تباہ کر رہے ہو، اور تم کیوں مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہو اور تم نے کیوں نوجوانوں کو مغالطہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور اس الٹے کیلئے کیوں علماء حق کی عزت و آبرو کے درپے ہوتے ہو۔ ایک مؤثر اقلیت کو لیکر اپنی حکومت کے دامنوں میں پرورش کرنا، اور مسلمانوں کی تین کروڑ غیر مؤثر اقلیت کو ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا کیا تمہارے نزدیک مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس مسلم کش پالیسی کو جس میں تین کروڑ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا اعلان کیا جارہا ہے تم زبردستی تسلیم کرانا چاہتے ہو؟

جبر واکراہ کی پالیسی

میرے عزیزو! تم نے یہ جبر واکراہ کی پالیسی اختیار کی ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جبر واکراہ سے کوئی بات منوائی جاسکتی ہے۔

ارے بھلے آدمیو! جبر واکراہ سے حق تو منوایا ہی نہیں جاسکتا بھلا! باطل کیونکر قبول کیا جاسکتا ہے۔ کہیں زبردستی گالیاں دیکر اور چاقو اور چھریاں دکھاکر باطل کو تسلیم کرایا جاسکتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور

کیا تم مسٹر جناح کے پاکستان کو کوئی وحی الہی یا قرآن کی آیت سمجھتے ہو کہ جو اس کے خلاف ہوئے وہ قابل گردن زدنی ہے۔ تم بھی ایک فارمولا پیش کر رہے ہو، جمعیتہ علما بھی ایک فارمولا پیش کرتی ہے۔ ہم تم دونوں یہ چاہتے ہیں کہ آزاد ہندوستان میں مسلمان نقصان سے محفوظ رہیں۔ اور ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر نہ کریں۔

اسی مقصد کے پیش نظر آپ کی وہ تجویز ہے جو آپنے لاہور میں پاس کی ہے۔ جس کا نام اب پاکستان تجویز ہو گیا ہے۔ اور اسی مقصد کے پیش نظر جمعیتہ علما نے ایک تجویز لاہور میں پاس کی ہے۔ اور پھر اسکی تشریح دہلی میں اس کی مجلس عاملہ نے کی ہے۔ جس کا نام صوبوں میں حق خود ارادیت اور مرکزی، مساوات ہو گیا ہے، یہ دو تجویزیں آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے پیش ہیں۔ ایک مسلم لیگ کی ہے اور ایک جمعیتہ علما کی ہے۔ ہم کو جو جناب کی تجویز پر اعتراض ہے وہ ہم نے بارہا کہدیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ جس میں تین کروڑ مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنایا جائے اور ان کو غیر مؤثر اقلیت بنا کر ہندوؤں کی بھاری اکثریت کے سپرد کر دیا جائے، اور مسلمانوں کو سب طرف سے سمیٹ کر براعظم کے ایک گوشہ میں ڈالدیا جائے، اور اس حیثیت سے ڈالدیا جائے کہ وہ ایک موثر اقلیت کے ساتھ جسکی تعداد چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش ہو مل کر حکومت کریں۔ میرے عزیزو! اگر تم اس قسم کا پاکستان مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے ہو تو مجھے کیوں نہیں سمجھاتے تا کہ میں بھی سمجھ جاؤں آخر۔

کیا یہ کوئی تمہارا گھریلو معاملہ ہے

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا پاکستان کا معاملہ تمہارا کوئی گھریلو

معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ آخر آٹھ یا نو کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ انگریز کو اس ملک سے نکال کر مسلمانوں کی آزاد زندگی بسر کرنے کا معاملہ ہے، اس طریقہ کا پاکستان جس طریقہ کا تم بنانا چاہتے ہو ہم تو دو ہی مطلب سمجھتے ہیں یا تو تم کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور یا تم ملک سے انگریزوں کو نکالنا نہیں چاہتے میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جمعیتہ اور مسلم لیگ کی تجویزوں کو قرآن کی آیتیں نہ سمجھو بلکہ آپس میں ملکر اور سب سر جوڑ کر غور کرو کہ کونسی راہ مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ صرف مولوی ہی پاکستان کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ بیشمار آزاد خیال اور تعلیم یافتہ مسلمان جمعیتہ علما کی تجویز کے حامی اور پاکستان کے مخالف ہیں۔ آخر پاکستان میں کوئی تو ایسی خرابی ہے جس سے مسلمانوں کا مذہبی اور روشن خیال طبقہ مطمئن نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھو تو تمہارے ساتھ یا تو سرکار پرست اور کاسہ لیسان ازلی کی کثرت ہے۔ اور یا پھر کمیونسٹوں اور لامذہبوں کی چہل پہل ہے۔ ان کے علاوہ اور جناب کے پاکستان کو کون سپوٹ کر رہا ہے۔ سرکار پرستوں کی خواہش صرف یہ ہے کہ گورنمنٹ کے ہاتھ سے ملک نہ نکلنے پائے، اور کمیونسٹوں کی تمنا یہ ہے کہ کسی طرح ملک میں روسی نظام جاری ہو جائے، اور مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اسلام کے نام پر کمیونزم کو ترقی دیجائے۔ یہی وہ جذبات ہیں جو آپ کی مسلم لیگ میں نمایاں اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اگر یہ باتیں نہیں ہیں جو میں نے عرض کیں تو پھر آخر یہ شور و ہنگامہ کیا ہے اور علماء ملت کی یہ توہین و تذلیل کیوں ہے۔

علماء امت اس قدر نفرت کیوں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کیا ہم اسلام کے بدخواہ ہیں۔ جس اسلام کے نام پر ہم کو روٹی ملتی ہے۔

کیا ہم اُس کو ہندوستان سے مٹانا چاہتے ہیں، کیا معاذ اللہ ہم ملت ابراہیمی کو کفر کے ہاتھ فروخت کر رہے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اگر خاکم بدہن، اس ملک سے علماء، اور علماء کے وقار کو ختم کر دیا گیا تو اس ملک میں مذہب کا کیا حال ہو گا۔ جس ملک کے مسلمانوں کی مذہبی حالت تمام دُنیا کے مسلمانوں سے بہتر ہے۔ تم اُنہی مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہو، اگر تمہارا یہ مقصد نہیں ہے، اور تم اسلام کے دشمن نہیں ہو تو تم مذہب کے نام لیواؤں کے ساتھ یہ کافرانہ سلوک کیوں کر رہے ہو۔ جلسوں میں شور کرنا، علماء پر قاتلانہ حملے کرنا۔ غل مچا کر اور لاٹھیاں چلا کر جلسوں کو درہم برہم کرنا، کیا یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے یا کافروں کا یہ طریقہ تو ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کا ہے۔ یہ طریقہ صدیق اکبرؓ اور بلال کا نہیں ہے۔

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم علماء حق کی توہین و تذلیل کر کے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہو۔ کیا ہندوستان کے تمام مسلمان یا ننانوے فیصدی مسلمان اسی خیال کے ہیں کہ مذہب اور اہل مذہب کی توہین کی جائے اور جلسوں میں اسی طرح غل مچایا جائے، جس طرح کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں غل مچایا کرتے تھے یا جس طرح حضرت علیؓ کی تقریر میں خارجی شور مچایا کرتے تھے۔

کیونکہ آپ کی جماعت تو نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ ہے یا کم از کم ننانوے فیصدی کی نمائندہ ہے۔ تو گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمام مسلمان ہی مذہب اور اہل مذہب کے دشمن ہو گئے۔ آپ کی نمائندگی بھی خوب ہے۔ جمعیۃ علماء آپ کے ساتھ نہیں۔ احراری آپ کے ساتھ نہیں، خاکساری آپ کے ساتھ نہیں یونسٹ پارٹی آپ کے ساتھ نہیں، خدائی خدمت گار آپ کے ساتھ نہیں۔ انصاری آپ کے ساتھ نہیں شیعہ من حیث الجماعت آپ کے ساتھ نہیں۔ انڈی پینڈنٹ

اور امارت شرعیہ بہار آپ کے ساتھ نہیں۔ کرشک پرجا پارٹی آپ کے ساتھ نہیں، آل انڈیا مسلم مجلس آپ کے ساتھ نہیں۔ مگر آپ تمام ہندوستان کے واحد نمایندے ہیں۔ الیکشن میں ہر ایک سیٹ پر آپ کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ مگر آپ ایسا تمام مسلمانوں کے واحد نمایندے! سبحان اللہ، کیا واحد نمایندگی ہے۔ قربان جائیے اس واحد نمایندگی کے۔

مسلم لیگ سے صلح

میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ مجھ سے بڑھ کر کون صلح کا حامی ہو سکتا ہے اگر مسٹر جناح کی جگہ کوئی اور معاملہ فہم اور حق شناس اور مسلمانوں کا ہمدرد صدر ہوتا تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اب تک کبھی کی صلح ہو چکی ہوتی۔ اور اب بھی اگر تم سب مسلمانوں کو متفق کرنا چاہتے ہو، تو اس کی ایک ہی صورت ہے، جس طرح سر آغا خاں نے ایک آل پارٹیز کانفرنس کی تھی اسی طرح مسٹر جناح ایک آل پارٹیز کانفرنس مدعو کریں اور سب جماعتوں کے افراد ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اگر ایسا ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ باہم اتحاد نہیں ہو سکتا۔ تم کو جب تک واحد نمایندگی کے خواب پریشاں سے نجات نہیں ملے گی، یاد رکھو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ پالیسی کہ سب کو ختم کر دو، بس ہمیں ہم ہیں اور دنیا میں باقی سب بیوقوف ہیں۔ یہ پالیسی تمہارے لیڈر کی کوئی کامیاب پالیسی نہیں ہے۔ تمام دنیا کی سرکاری اور ناپاک روحوں کو تم گلے لگا سکتے ہو، لیکن تم سے مولانا سید حسین احمد اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ جیسے مقدس لوگ برداشت نہیں ہو سکتے۔ اگر تمہارے دل میں واقعی مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی تڑپ ہے تو تم ایک آل پارٹیز فوراً مدعو کرو۔ تمہاری

بھی عجیب حالت ہے۔ جب سر آغا خاں آل پارٹیز مدعو کریں تو مسٹر جناح اُس کا بائیکاٹ کر دیں اور جب مسٹر جناح سے کہا جائے کہ تم ایک دفعہ آل پارٹیز بلا کر سب سے گفتگو کرو تو فرمائیں پہلے پاکستان کو مان کر مسلم لیگ میں آجاؤ اس کے بعد بات کرونگا۔ سبحان اللہ جناب کے لیڈر کی بھی کیا شان ہے۔

عذر آنے میں بھی اور بلاتے بھی نہیں

کوئی بلائے تو آئیں نہیں اور جب اُن سے بُلانے کو کہا جائے تو کہیں لیگ کے جھنڈے تلے آجاؤ۔ اور وہ پاکستان جو شرمندۂ معنی نہیں ہوا اور صرف مسٹر جناح کے دماغ کی پیداوار ہے، اُس کو تسلیم کر لو، تب تو تم کو ہم بلائیں گے، اور تم سے بات کرینگے۔ اور جب ایک خط کے بعد کوئی دوسرا خط بھیجے تو کہدو کہ میں جو کچھ پہلے خط میں کہہ چکا ہوں اس سے زائد کہنا نہیں چاہتا۔ تم تو دوسروں کو دعوت دیتے پھرتے ہو اور مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار رہے اور تمہارے لیڈر کے دماغی توازن کی یہی کیفیت رہی۔ تو اس الیکشن کے بعد چودھری خلیق الزماں اور نواب اسمٰعیل خاں اور نواب زادے لیاقت علیخاں بھی اسی طرح نکل جائینگے جس طرح حضرت ظفر الملۃ والدین مولانا ظفر علیخاں اُس سے نکل گئے ہیں، اور اتحاد ملت کا نیلگوں جھنڈا لے کر گشت کرتے پھرتے ہیں یا اگر کوئی شریف آدمی اپنی وضعداری کو رہ بھی گیا تو اُس کا حشر وہی ہوگا جو مولانا حسرت موہانی کا ہو رہا ہے۔

ہندوؤں سے ملنے کا طعنہ

عام طور سے یہ کہا جارہا ہے کہ مولوی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر

ہندوؤں کی جماعت سے مل گئے ہیں یہ کس قدر غلط تعبیر اور غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔

کیا تم ان الفاظ کے ادا کرنے میں صادق القول ہو، کیا تم یہ ایمانداری کے ساتھ کہتے ہو، سیدھی بات تو یہ ہے کہ مولوی سرکار پرستوں، اور گورنمنٹ کے وفاداروں سے کنارہ کش ہو کر حکومت کا اقتدار مضمحل کرنے کی غرض سے نیشلسٹ ہندو اور نیشلسٹ مسلمانوں کی مشترکہ جماعت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جس طرح ۱۹۱۴ء میں خلیفۃ المسلمین نے قیصر جرمنی کا ساتھ دیا تھا اور جس طرح اب بھی مسلم لیگی وزارتیں ہندوؤں سے مل کر وزارتیں چلا رہی ہیں، اور جس طرح آپ کے صوبہ یوپی میں بہت سی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ہندو اکثریت کے باوجود مسلمان ہندوؤں سے ملے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ کچھ ہندو مسلمان وہ ہیں جو باہم ملکر حکومت کی مشنری چلا رہے ہیں اور کچھ ہندو مسلمان وہ ہیں جو کانگریس کے پلیٹ فارم پر مل کر حکومت کے اقتدار سے جنگ کر رہے ہیں۔ اگر وہ مسلمان کافر ہیں تو یہ مسلمان بھی کافر ہیں اور اگر یہ ٹیکارام اور بھیجو رام والے مسلمان مسلمان ہیں، تو جواہر لال سے ملکر کام کرنے والے مسلمان بھی مسلمان ہیں، غضب خدا کا کونسلوں میں، ہندوؤں سے ملکر کام کرو تو مسلمان، اسمبلی میں جاکر ہندوؤں سے مل جاؤ تو مسلمان میونسپلٹیوں میں ہندوؤں کے دوش بدوش بیٹھکر کام کرو تو مسلمان ڈسٹرکٹ بورڈ میں ہندو اکثریت کے ساتھ بیٹھکر کام کرو تو مسلمان وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں مسٹر کھرے کے ساتھ مل کر کام کرو تو مسلمان، وائسرائے کے ڈنر میں ہندو کے ساتھ مل کر ایک میز پر کھانا کھاؤ، تو مسلمان، ہندوؤں اور گورکھوں کے ساتھ ملکر انگریزی اقتدار پر

میدان جنگ میں قربان ہو جاؤ تو مسلمان ہندوؤں سے مل مل کر سپلائی کے ٹھیکے لو تو مسلمان - ہندوؤں سے ملکر چھوٹی چھوٹی یونین بناؤ تو مسلمان، کرانہ یونین، کلاتھ یونین، غلہ یونین، ہوزری یونین۔ سوداگروں کی یونین، غرض ہر یونین میں ہندوؤں کے ساتھ مل جاؤ تو تم مسلمان ہی رہو۔ راشن یونین میں ہندوؤں سے ملجاؤ تب بھی مسلمان، لیکن اگر کوئی خوش قسمت مسلمان کانگریس یونین میں شریک ہو جائے تو اُسی وقت اُس پر کفر کا حکم لگا دو، تلک اذا قسمة ضیزی سیدھی بات کہو کہ تم اصل میں انگریز سے جنگ کرنا ہی نہیں چاہتے بلکہ انگریزی اقتدار کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ تم ہیر پھیر سے بات کیوں کہتے ہو صاف کہو تا ہم انگریز سے جنگ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں جو انگریزی اقتدار سے جنگ کرنے کی غرض سے ہندو کا ساتھ دے گا ہم اُسے کافر کہیں گے۔ تم بھی یہ جانتے ہو کہ ہم کسی لالچ یا ذاتی منافع کی غرض سے ہندو کے ساتھ نہیں ہیں نہ ہمیں ہندو سے کوئی رشتہ داری کرنی ہے۔ نہ ہم کفر کی تہذیب کو پسند کرتے ہیں بلکہ تم جس طرح اُسے کافر سمجھتے ہو، اُسی طرح ہم بھی اُسے کافر اور بت پرست سمجھتے ہیں اور ہمیں تم سے بھی کوئی دشمنی نہیں، بلکہ ہم تم کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ تم سے ہم علیحدہ اسلئے نہیں ہیں کہ تم کافر ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت متسلط کے اقتدار کو مضمحل کرنا یہ میرا ایمان ہے میں ہندو سے اسلئے اشتراک عمل کر رہا ہوں کہ وہ میرے مقصد کی تکمیل کر رہا ہے، یا کم از کم میرا مقصد پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور تم سے اسلئے بیزار ہوں کہ تم بلاواسطہ یا بالواسطہ قصداً یا بلاقصد دانستہ یا نادانستہ انگریزی اقتدار کو اس ملک میں مضبوط کر رہے ہو، خدا شاہد ہے کہ میں نے ہندو سے اُس کے کفر کی وجہ سے اشتراک عمل نہیں کیا ہے۔

اور تم سے تمہارے اسلام کی وجہ سے ناراض نہیں ہوں، بلکہ ہندو سے اس لیئے اشتراک عمل کرتا ہوں کہ وہ حکومت کے اقتدار کا مخالف ہے اور تم سے اسلیئے بیزار ہوں کہ تم حکومت کے اقتدار کے حامی ہو، اس میں کفر اور اسلام کی بحث کیا ہے تم ایسی غلط بات کیوں کہتے ہو جس دن تم کو خدا تعالیٰ اس قابل کردے گا، اور تم انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی غرض سے میدان میں آؤگے تو میں انشاء اللہ تمہاری فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہونگا۔

آخر کلام

بہر حال باتیں بہت سی عرض کرنی تھیں، لیکن ایک طرف میری طویل علالت اور دوسری طرف میری خانہ نشینی نہ اب میں کوئی تقریر کرتا ہوں نہ کہیں سفر کرتا ہوں، یہ مختصر سی تقریر بھی میں نے یہاں کی جمعیتہ علمار کے بعض ارکان کی فرمائش پر کردی۔ میں تو آج کل قرآن شریف کا ترجمہ اور ایک مختصر سی تفسیر لکھنے میں مشغول ہوں، الحمد للہ ترجمہ پورا ہوگیا ہے۔ اب صرف نظر ثانی اور مختصر تفسیر لکھنی باقی ہے۔ بس آپ سے چلتے وقت صرف اتنا ہی عرض کرجاتا ہوں کہ آئندہ الیکشن میں جمعیتہ علمار کی بات نیچی نہ ہونے پائے اگر تم کو اسلام سے محبت ہے اور تم مذہب اور اہل مذہب سے الفت رکھتے ہو تو تم کو علمار حق کا ساتھ دینا چاہیئے۔ میں نے بات صاف کردی ہے تم کو غلط اور جھوٹے پروپگنڈے سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ خدا تمہاری مدد کریگا۔ بشرطیکہ تم نے اُسکے دین کی مدد کی۔ اس وقت بد قسمتی سے موجودہ الیکشن نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے کہ دین کی عزت اور اسلام کی آبرو کا سوال پیدا ہوگیا ہے۔ ایک طرف لادینی اور دین کے

مٹانے کا حال آپ کے سامنے ہے جو کچھ ہو رہا ہے، اور علماء کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ جناب کی آنکھوں کے سامنے ہے، مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمہ چو افواج یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمہ چو زین العابدین

اگر مسٹر جناح سرکار پرستوں اور ناسمجھ طالب علموں اور کمیونسٹ نوجوانوں کی ہمت افزائی نہ کرتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ لیکن انہوں نے خود ایسی فضا پیدا کر دی جو دینِ حق کیلئے سخت خطرناک ہے، اور اب مجھے دیکھنا ہے کہ مسلمان حق کی طرف جاتے ہیں یا باطل کی طرف، ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ پروپگنڈے کی طاقت بھی نہیں ہے۔ سرکاری اثر و رسوخ سے بھی ہم تہی دست ہیں۔

ہاں صرف دینِ حق اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گذار ہیں اسی کے نام پر مسلمانوں کو بلاتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو خدا اور اس کے رسول کا نام لیکر بلایا ہے تو وہ والہانہ اور عاشقانہ اور دیوانہ وار بڑھے ہیں۔ یہ دعوت اور پکار صرف میری نہ سمجھو، بلکہ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ یہی پکار عرب لیگ کی ہے اور یہی پکار فلسطین کے شہیدوں کی ہے۔ جو کچھ میں تم سے سہارنپور کے مسلمانو! کہہ رہا ہوں یہ الجیریا اور حیدرآباد کے مسلمانوں کی آواز ہے۔ جو میں جناب سے درخواست کر رہا ہوں۔ یہ درخواست صرف میری درخواست نہیں ہے بلکہ تمام عالم اسلام کی اس وقت یہی درخواست ہے۔ دنیا کے ہر مسلمان کی آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اگر آپ نے اس وقت مذہب اور اہل مذہب کا ساتھ دیا تو یقین مانو! تم سے خدا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہونگے اور اگر اس وقت

تم نے مذہب کے تحفظ اور بچاؤ کی کوشش نہ کی تو تم قیامت میں جوابدہ ہوگے۔
میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ کاش
میری صحت مجھے موقع دیتی تو میں آپ کی مزید خدمت انجام دے سکتا۔
مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

یہ تقریر آپ نے سہارنپور میں فرمائی، اور مسلم الیکشن بورڈ کی طرف سے ہزارہا کی
تعداد میں طبع کرا کے شائع کی جا چکی ہے۔

اور

مرزا غلام احمد

حضرات! سیالکوٹ کی تقریر کے بعد سے آج تک آواز مجروح ہے میں کوشش کرونگا کہ آپ تک اپنی آواز پہنچا سکوں، اگر آپ حضرات خاموشی کے ساتھ سنتے رہے تو مجھے خدا کے فضل سے توقع ہے کہ میں آپ تک اپنی آواز کے پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

جناب صدر! میں تو پنجاب میں اسلئے آیا تھا کہ سیالکوٹ میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں اس سے لوگوں کو مطلع کر دوں اور پنجاب کے مسلمانوں سے کہدوں کہ قومیں روز روز زندہ نہیں ہوا کرتیں یہ وقت ہے اگر پنجاب کے مسلمان منظم ہو سکتے ہیں تو اس سے بہتر وقت نہیں آئیگا، نہ معلوم کل کیا ہونیوالا ہے۔ میں تو مباہلہ کانفرنس میں بھی اسی ایک خیال کو لیکر حاضر ہوا تھا، لیکن یہاں آکر کچھ رنگ ہی اور دیکھا یہاں بقول مولانا ثناء اللہ صاحب کہا سو دبڑا پیالہ ہے نبوت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ نبوت بھی

کس کو دی جا رہی ہے، مرزا غلام احمد کو، بھلا صاحب ہماری یہاں کیسے گزر ہو سکتی ہے، ہم کیا جانیں نبوت بھی کسی کو دی جا سکتی ہے، اور وہ بھی جناب خیتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد؟ یہاں تو عقیدہ یہ ہے:۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

یا ایک اور فارسی کے شاعر نے کہا ہے:۔

پارہ ہائے دل صد پارہ بہم مے سازم
چوں شنیدم کہ سگِ کوئے تو جہاں شدنی

ہمیں تو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ہم جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کے کتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اُن کی گلی کے کتے بھی ہم سے اچھے ہیں وہ قریب ہیں ہم بعید ہیں۔

دہلی کی مثل

حضرات! دہلی والے کہتے ہیں کہ دُور کا بیٹا بیٹی اور پاس کا کتا بھی برابر نہیں ہوتا، قُرب قُرب ہی ہے اور دُوری دُوری ہی ہے۔ مدینہ منورہ کی گلیوں کے کتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ مدینے کے کتے ہیں اور ہم اس شرفِ قرب سے محروم ہیں۔ دہلی کے ایک بزرگ مولانا سید ارشاد صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ اُنہوں نے مدینہ منورہ میں ایک قبر پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔ یہ قبر مسجد نبوی کے احاطہ کے باہر ہے، لیکن گنبدِ خضرا میں آرام کرنے والوں کے بائیں جانب کی جو دیوار ہے اس کے نیچے ہی یہ قبر تھی، اس قبر کے سرہانے ایک پتھر پر لکھا ہوا تھا ثلثۃ رابعھم کلبھم یہ ٹکڑا سورہ کہف کا ہے۔ اللہ بخشے مولانا سید ارشاد

صاحب کا وعظ سنا ہے۔ یہ بزرگ مولانا قطب الدین خاں صاحب دہلوی کے شاگرد تھے، ان کو وفات پائے بھی تیس سال سے زیادہ گذر رہے۔ یہ کہا کرتے تھے، اس قبر کو دیکھ کر تمنا ہوتی تھی کہ میں یہاں مدفون ہوتا، اور واقعہ بھی یہی ہے۔ آیت کیا اچھے موقع پر استعمال ہوئی ہے۔

بھائیو! یہاں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا کتا بننے کی تمنا ہے اگر سرکار اپنا کتا فرما دیں تو ہمارے نزدیک دونوں جہان کی نعمتوں سے بہتر ہے لیکن ایک غلام احمد کادیانی گروہ ہے کہ وہ نبی بننا چاہتا ہے۔

شیطان اور فرعون کا قصہ

میں نے بعض قصص کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے فرعون سے ملاقات کر کے کہا کہ تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے میں تو ہزاروں برس سے بندہ بننے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن حضرت حق مجھ کو اپنا بندہ کہنے کو تیار نہیں، بھلا تیرے اس دعوے کو کیسے قبول فرما سکتے ہیں۔ فرعون اس پر کچھ شرمندہ ہوا، اور چاہتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو واپس لے لے لیکن شیطان نے پھر یہ کہہ کر جما دیا کہ اب جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا، اب اپنے دعوے سے رجوع کرنا اور زیادہ بے عزتی کی بات ہو گی، ہم اپنے کو کتا کہلوانے کی کوشش کر رہے ہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ دربار رسالت سے سگ درگاہ کا لقب بھی ملتا ہے یا نہیں؟ لیکن غلام احمد اپنے کو نبی کہلوانا چاہتا ہے، اور نہیں سمجھتا کہ وہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کر رہا ہے۔

نبوت کا دعویٰ خاتم المرسلین کی توہین

حضرات! آپ کو معلوم ہے، دنیا ابتدائے آفرینش سے ارتقائی منزلیں

طے کر رہی ہے۔ جس طرح مادی ترقی ہو رہی ہے۔ اسی طرح روحانی ہدایت بھی پوری قوت کے ساتھ رہنمائی کر رہی ہے۔ اس آخری دور میں مادیت اپنی انتہائی منزل پر پہونچنے والی تھی اسی لئے آخر زمانے میں اس پیغمبر کو بھیجا گیا جو تمام روحانی قوتوں کا مالک تھا۔ سب سے آخر میں سب سے بڑا طبیب آیا کرتا ہے۔ کسی عمارت کی اصلاح کے لئے سب سے آخر میں سب سے بڑا انجنیر آتا ہے۔ برادری میں کوئی روٹھ جائے تو سب سے بڑے کو آخر میں منانے کے لئے بھیجتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے آخر میں بھیج کر یہی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اب ان سے بڑا کوئی نہیں ان کے بعد یا شفا ہے یا موت۔ تعمیر کی تکمیل ہے یا بربادی، ان کے بعد روٹھے ہوؤں کو من جانا ہے یا ہمیشہ کے لئے برادری سے خارج ہو جانا ان کی شخصیت ابراہیم اور سلیمان جیسی نہیں ہے۔ یہ تو آخری پیام ہیں جو قبول کرتا ہے، قبول کرے۔ ورنہ جہنم کا راستہ اختیار کرے۔ ان کے بعد کسی حیثیت سے بھی نبی کا آنا ان کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

غلام احمد نے اسلام کی بنیادیں ہلادیں

حضرت امرزا صاحب علیہ ماعلیہ نے ایسا اقدام کیا ہے جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ لوگ ولی بنے، غوث بنے، قطب اور ابدال بنے۔ لیکن آج تک کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ نبوت کا تصور بھی کرتا۔ ختم نبوت پر اتنے صریح اور واضح دلائل موجود تھے کہ کسی کذاب سے کذاب۔ کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ادعا کرتا۔ مگر غلام احمد اور اس کے سعادت مند برخودار کی حیرت انگیز جرأت ملاحظہ کیجئے کہ ان کو لفظ نبی اور رسول کا استعمال کرتے ہوئے ذرا بھی شرم بھی محسوس نہیں ہوتی، تمام اصطلاحیں وہی استعمال کر رہے ہیں۔ جو حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانہ میں بولی جاتی تھیں۔ مثلاً صحابی،

عشرہ مبشرہ مدینۃ المسیح وغیرہ وغیرہ

چوٹی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ

اور تو اور وہ مرزا صاحب کی بیوی کا قصہ سنیئے۔ مرزا صاحب کو دہلی کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی یہ لڑکی خواجہ میر درد کے گھرانے کی ہے اور میرے ..... محلے کی ہے، اب تک میرے مکان کے قریب بارہ دری میر درد کے نام سے گلی مشہور ہے یہ لڑکی بارہ دری کی تھی۔ جو ایک دفعہ اپنے میکے گئی۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے۔ مرزا صاحب کے مرنے کے بعد کا واقعہ ہے جب بیگم صاحبہ آگئیں تو پاس پڑوس کی عورتیں ملنے آئیں۔ کسی نے کہا لہو بُوا اچھی ہو، مرزا صاحب کیا بیمار ہوئے۔ تھے تمہاری سوکن کا کیا حال ہے، کسی نے بیگم کہا کسی نے نام لیا، کسی نے مرزا کی دلہن کہا۔ جب یہ عورتیں ان کو خطاب کر رہی تھیں تو ایک دفعہ ہی بیگم صاحبہ بولیں مجھے ام المومنین کہو۔ اگر ام المومنین نہ کہو گی تو گنہگار ہو گی۔ اوّل اوّل تو دہلی کی عورتیں سمجھی نہیں کہ یہ ام المومنین کیا ہے، کسی نے پوچھا کہ یہ کوئی پنجابی بولی ہے؟ کسی نے دریافت کیا کیا قادیان میں دلہنوں کو ام المومنین کہا کرتے ہیں۔ جب عورتوں نے زیادہ اصرار کیا اچھی یہ ام المومنین کیا ہے؟ تو مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ اس کی تشریح کرنے بیٹھیں کہ بُوا یہ نبی کی بیوی کا لقب ہوتا ہے۔ جیسے وہ اللہ کے نبی تھے تو میں ان کے نکاح میں گئی تو میں ام المومنین ہوئی عورتیں پھر بھی نہ سمجھیں کہ کون نبی کیسا نبی۔ آخر مزید گفت و شنید کے بعد عورتوں کی سمجھ میں آیا کہ یہ اپنے خاوند کو اللہ کا رسول کہتی ہے، اور خاتم النبیین کے بعد کسی نئے نبی کا نام لیتی ہے، اور اپنے کو ازواج مطہرات میں سے شمار کرتی ہے، پھر تو عورتوں نے ان بیگم صاحبہ کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ اللہ کی پناہ۔

سینکڑوں صلواتیں تو انہوں نے مرزا صاحب کو سُنائیں، اور ان سے کہا بیوی یہ باتیں قادیان میں جاکر کرنا۔ بارہ دری میں اس قسم کا کفر بکا تو چوٹی کا ایک ایک بال الگ کر دیا جائیگا۔

بھائیو! خلیفہ اوّل و دوئم کی اصطلاح سے تو زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ مرزا کی عورتیں اپنے کو ام المومنین کہواتی ہیں ؎

تیر بر معصوم میبارد خبیث بدگہر
آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

اس بدقسمت گروہ نے نبوّت کو کس قدر ذلیل کیا ہے، اور کیسا غلط دروازہ کھولا ہے کہ جس کا انسداد قیامت تک ملّتِ اسلامیہ کے لئے مشکل ہو گیا ہے گویا معاذ اللہ نبوت بھی ایسی چیز ہے جس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی نقصان

خیر حضرات! میں نے عرض کیا تھا کہ میں تو اس ہفوات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور نہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہے۔ اگر آپ اس گروہ کو فنا کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے اسباب پیدا کیجئے۔ اچھے ہوشیار مُبلغین کی خدمات حاصل کیجئے۔ پورے طور پر پروپیگنڈہ کیجئے، خدا کی امداد آپ کے ساتھ ہوگی۔ باطل کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ مرزا کی موت اور وہ بھی مولانا ثناء اللہ کے مقابلہ میں ایک عبرت انگیز چیز ہے، جس نے باطل کے قلعہ کو تو مسمار کر دیا ہے۔ اب جو کچھ رہ گیا ہے، وہ غلط بنیادوں پر کچی عمارت ہے۔ اب دلائل کا جہاں تک تعلق ہے مرزا کی مرزائی ختم ہو چکی ہے۔ اب تو جو کچھ ہو رہا ہے وہ گورنمنٹ کے سہارے ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے عہدے ان کو

گورنمنٹ دے رہی ہے۔ اور یہ اپنے ماتحتوں کو اپنے اثر سے قادیانی بنا رہی ہے۔ خود دہلی میں ایسے بکثرت واقعات ہیں کہ لوگوں نے محض اپنے اغراض کیلئے قادیانیت کو قبول کیا ہے۔ قادیانی بن کر مقدمات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ قادیانی بن کر ملازمت حاصل کی ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن یہ دیکھا نہیں جاتا ہے۔

حضرات! جس طرح یہ فرقہ مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اسی طرح سیاسی حیثیت سے اس کا وجود سخت نقصان دہ ہے۔ انگریزوں کے وفادار اور بھی بہت ہیں۔ ہندوستان میں غداران وطن اور حکومت کے خوشامدیوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک ملت فروش پڑا ہوا ہے۔ لیکن آجتک بیعت کی شرط کسی نے نہیں لگائی کہ حکومت کی وفاداری میری بیعت کی شرط ہے۔ کسی نے آجتک الماریاں کی الماریاں ایسی تصنیف سے نہیں بھر دیں۔ جس میں حکومت کی وفاداری کا درس دیا گیا ہو۔ ان ظالموں نے تو گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کو جزو ایمان قرار دیا ہے۔ اپنے مطلب کے لئے سب وفاداری کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک تو مسیح موعود پر ایمان لانے کی شرط ہی یہ ہے کہ گورنمنٹ کی وفاداری کا اعتراف اور اقرار کرو۔ یہ تو ایمان کے پردے میں انگلو انڈین بناتے ہیں، انگریز کی ہمدردی ان کے ساتھ ہے، اور یہ انگریز کے جان نثار ہیں۔ آج یہ کشمیر کے مسلمانوں کی ہمدردی میں اُٹھے ہیں۔ لیکن ان کو مسلمانوں کی ہمدردی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کو مسلمان تو سمجھتے ہی نہیں یہ کمبخت ہمدردی کیا کریں گے؟ میں نے تو سیالکوٹ میں بھی عرض کیا تھا کہ ان انگریزی نبوت پر ایمان لانے والوں سے دریافت کرو کہ مظلومین پشاور کے متعلق جناب کی رائے کیا ہے، اُس وقت مرزا محمود خلیفہ ثانی کہاں تشریف لے گئے تھے، یہ برطانوی نبی کے برطانوی خلیفہ اور انگریزی روحانیت کے تاجدار پشاور کی گولیوں کے

وقت کیا عالم ملکوت میں تشریف فرماتے تھے۔

کشمیری مظالم

حضرات! اس سے انکار نہیں کہ کشمیری مسلمانوں پر انتہائی مظالم ہوئے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اب دُنیا میں انقلاب ہو رہا ہے۔ آج کسی قوم کو دوسری قوم پر حکومت کا حق نہیں ہے۔ طرز حکومت بدل رہا ہے۔ ہر شخص آزادی کا خواہشمند ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ جذبہ غلط ہے یا صحیح بہرحال دُنیا کی تمام قوموں میں یہ جذبہ موجود ہے۔ آج تو وہ زمانہ ہے کہ عرب کے مسلمان مصطفےٰ کمال کی سیادت قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، حالانکہ مصطفےٰ کمال کے باپ دادا نے صدہا برس حرمین کی جاں نثار کشی کی ہے۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ یہ آزادی کا جذبہ جانوروں تک میں موجود ہے۔ آپ ایک جانور کو پنجرے میں بند کر کے دیکھ لیجئے۔ چونچیں مار مار کر اپنے سر کو زخمی کرے گا۔ جب یہ آزادی کا جذبہ جانوروں میں کارفرما ہے تو پھر انسان کا کیا کہنا ہے۔ میں کشمیری مسلمانوں کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ وہ مٹھی بھر ڈوگرہ شاہی کی حکومت قبول کرنے کو آمادہ نہیں ہیں۔ اگر ہمیں اس جذبے سے اتفاق نہ ہوتا تو آج احرار اسلام کے ارکان کیوں کشمیری مسلمانوں کی حمایت کرتے اور کیوں بڑی سے بڑی قربانی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

مجلسِ احرارِ اسلام پنجاب

معزز دوستو! آپ کی مجلس نے اس وقت جو خدمات انجام دی ہیں، اُن کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اگر احرار درمیان میں نہ آجاتے تو قادیانی پارٹی نے ریاست کشمیر اور مسلمانان کشمیر کو کبھی کا ختم کر دیا ہوتا۔ قادیانی جماعت کا

منشا مسلمانوں کی صحیح خدمت کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ ریاست کشمیر پر انگریزوں کا قبضہ کرا دیں اور وہاں کے مسلمانوں کو انگریزی نبی کا حلقہ بگوش بنا دیں تاکہ آئندہ ہندوستان میں ایک قادیانی ریاست قائم ہو سکے لیکن احرار کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان رکھا جائے اور ان کو مہاراجہ کشمیر کی مطلق العنانی اور اندھیر گردی سے نجات دلا دی جائے اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ اس موقعہ پر احرار کے جھنڈے کے نیچے سب کو جمع کر لیا جائے میں کہتا ہوں وقت نازک آ رہا ہے، ہندوستان کے ذرّے ذرّے اور گوشے گوشے سے انقلاب کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اگر پنجاب کا مسلمان زندہ ہوا ہے تو اسکی زندگی سے فائدہ اٹھا لو۔

جہلم میں سرفروشوں کا اجتماع

مسلمان جب اٹھتا ہے تو سرفروشی کرتا ہوا اٹھتا ہے۔ مجلس احرار نے سرفروشی کر کے ہزاروں سرفروشوں کی تعداد پیدا کر دی ہے۔ کشمیر کے مہاراجہ سمجھے تھے کسی بے گناہ کے خون سے کھیلنا آسان ہے۔ وہ مرزا محمود کی طاقت کو جانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ خلیفہ قادیان کوئی پیشینگوئی کر دینگے یا اپنے باوا کا کوئی الہام شائع کر دینگے۔ جیسے روس اور افغانستان کے انقلاب پر ان کا طرز عمل رہا ہے۔ لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ کشمیر کے بیگناہ مسلمانوں کا خون پنجاب کے گلی کوچوں میں ہزاروں سرفروش پیدا کر دے گا۔ یتیموں کی آہیں، اور بیواؤں کی صدائیں پنجاب کے ہر شہر اور قصبے میں آفت ڈھا دینگی۔

من قماش فروشے دل صد پارہ خویشم

جہلم کے سرفروشوں نے مجھے بھی دعوتی خط بھیجا ہے۔ پنجاب کے پچاس ہزار سرفروش جمع ہو رہے ہیں۔ بھائیو! میں تو اس دعوت نامہ کو پڑھ کر گھبرا گیا میں نے

ان کو لکھا کہ میں جہلم نہیں آسکتا۔ وہاں تو وہی شخص آسکتا ہے، جو سرفروش ہو، میں تو دل فروش ہوں اگر کوئی دل فروشوں کا اجتماع ہو تو فقیر کو بھی یاد کر لینا۔

صاحبو! خدا کا شکر ہے کہ برسوں کے بعد سرفروشی کا لفظ تو سننے میں آیا۔ اگرچہ قبل از وقت ہے زندگی اور حیات کے شوق میں کوئی حرکت ایسی نہ کر بیٹھنا کہ پھر کچھ دنوں کے لئے دھکیل دیئے جاؤ۔ عدم تشدد پر قائم رہتے ہوئے ہر قدم اٹھانا چاہیئے۔ آہستہ چلنا اس تیز گامی سے بدرجہا بہتر ہے، جس میں آدمی لنگڑا ہو کر بیکار ہو جائے۔ میں مجلس احرار کے ارکان سے بھی درخواست کرتا ہوں، مسلمانوں کو منظم کیجئے، لیکن کسی دہکتی ہوئی آگ میں نہ کود پڑے کشمیر کے بے گناہ مسلمانوں کے خون کا یہ کچھ کم فائدہ نہیں ہے کہ پنجاب کا مسلمان منظم ہو جائے۔

کشمیری مسلمانوں کے مطالبات

معزز حاضرین! مجلس احرار کے معزز ارکان کی سرفروشیوں کا یہ خلاصہ ہے کہ آج کشمیری مسلمانوں کے مطالبات حکومت کشمیر کے روبرو پیش ہیں آپ کے نزدیک مطالبات بہت نرم ہیں، مگر میں عرض کرتا ہوں، حکومت کشمیر منظور کرلے تو بہت ہیں اور اگر نہ مانے تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ وفد احرار کے خلاف جو سازشیں ہو رہی ہیں، اُن سے میں غافل نہیں ہوں۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی دفعہ ۱۲۴۔ اُس سازش کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور مرزا محمود کی زندہ کرامت ہے کیوں نہ ہو آخر ایک نبی کا بیٹا ہے، خواہ جھوٹے ہی نبی کا سہی، لیکن جس کے باپ کی بد دعا سے سینکڑوں انسان موت کے گھاٹ اتر چکے ہوں، حتیٰ کہ خود بھی اپنی بد دعا سے مرا ہو۔ کیا اُس کے بیٹے میں اتنی بھی کرامت نہ ہوگی کہ ایک

سید پر اس کی بد دعا سے دو مقدمے ۱۲۴ کے چل جائیں، اور کیا اُس کی بد دعا میں اتنا بھی اثر نہ ہوگا کہ وفد احرار کو کشمیر سے رخصت کر دیا جائے اور معاملہ گورنمنٹی وفد سے کیا جائے۔

دُکھ بھریں بی فاختہ کوّے انڈے کھائیں

پیٹے جائیں، احراری، نیزے کھائیں احراری، ڈوگروں کی ٹھوکریں کھائیں احراری، سنگینوں سے کچوکے جائیں احراری، بھوکے اور پیاسے رہیں، احراری، غرض ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تو احراری، لیکن مصالحت ذمہ داری مفاہمت کے ذمہ دار قادیانی. گورنمنٹ کی ہمدردی کے مستحق قادیانی. ملازمت اور وزارت کے حقدار قادیانی۔

حضرات! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس پر بھی احراریوں کو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ شیر کا پس خوردہ ہمیشہ گیدڑ اور لومڑیاں ہی کھایا کرتی ہیں، ہمارا مطلب یہ ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کو حقوق مل جائیں اُنکے مطالبات پورے ہو جائیں، انکو ذمے دار اسمبلی مل جائے۔ اس سلسلے میں اگر مرزا محمود اور انکی حمایتی گورنمنٹ کا بھی کچھ مقصد پورا ہوتا ہو تو ہو جائے ہم کیا کریں اس کی ذمہ داری حکومت کشمیر پر اور ہندو اخبارات ہی پر عائد ہوتی ہے۔ احراری اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، اگر مہاراجہ اس معاملے کو طول نہ دیتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔ اگر ابتداء ہی میں مسلم رعایا کو خوش کر دیتے یا پنجاب کے ہندو اخبارات کو غلط امیدیں نہ دلاتے یا ایک اور بزرگ کی آرزو پوری کر دیتے تو شاید...... یہاں تک نوبت نہ پہونچتی: بہر حال اَب مطالبات پیش ہو چکے ہیں اور دیکھنا ہے کہ مہاراجہ کا حسن تدبر کہاں تک انکی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

کانگریس کے مخالف اور کشمیر کے حامی

حضرات! اس سلسلے میں مجھے ایک دلچسپ سوال بھی کرنا ہے، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کشمیر میں جو جھگڑا ہو رہا ہے، وہ حقوق کا ہے۔ وہاں کی رعایا اپنی حکومت سے حقوق طلب کر رہی ہے، وہاں کوئی فرقہ دارانہ جھگڑا نہیں ہے۔ اس حقوق طلبی کا احساس خواہ باہر کے لوگوں نے پیدا کیا ہو یا خود وہاں کی مظلوم رعایا کے قلوب میں روز روز کے مظالم سے تنگ آ کر پیدا ہوا ہو، بہر حال جھگڑا حقوق کا ہے۔ حکومت ڈوگروں کی ہے۔ اور رعایا کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ بالکل کشمیر کے مسلمانوں کی وہی پوزیشن ہے جو برطانوی حکومت میں انڈین نیشنل کانگریس کی ہے، کانگریس بھی انگریزوں سے ذمہ وار حکومت کا مطالبہ کرتی ہے۔ انگریزی حکومت پس و پیش کرتی ہے۔ کانگریس سول نافرمانی کرتی ہے، حکومت گرفتار کرتی ہے، لاٹھیاں مارتی ہے، پشاور میں سینکڑوں بے گناہوں کو گولیوں کا نشانہ بناتی ہے۔ عورتوں کا جلوس نکلتا ہے تو پولیس گرفتار کرتی ہے، دو چار واقعات، لاٹھی چارج کے ایسے بھی ہوتے ہیں، جن میں عورتوں کو تکلیف پہنچائی گئی۔ لیکن یہی لوگ جو آج کشمیری مسلمانوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں، عورتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ پولیس کی امداد کرتے ہیں، ہڑتال ہوتی ہے تو یہ لوگ دوکانیں کھولے بیٹھے رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے ہندو عورتوں کا مذاق اڑایا ہیں ان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان مسلم خواتین کے متعلق جناب کا فتویٰ کیا ہے۔ جو کشمیر میں جلوس بنا کر نکلیں۔ جو لوگ باوجود اس ظلم و ستم کے حکومت کشمیر کی حمایت کر رہے ہیں۔ ان کے متعلق تو آپ کی رائے ظاہر ہے۔ لیکن جو لوگ گول میز کانفرنس میں جا کر

حکومت کی حمایت کر رہے ہیں۔ اُن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔
یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف مسلمانانِ کشمیر کی آزادی کے لئے جدو جہد کی جارہی ہے، اور دوسری طرف اپنی آزادی کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔

حضرات مجھے تو ان لوگوں پر سخت حیرت ہے۔ میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ آخر ان حضرات کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے اور ان کی دیانت کا کس طرح یقین کیا جائے۔ جو آج کشمیر کے معاملہ میں تو پیش پیش ہیں لیکن کانگریس کے معاملہ میں کل گالیاں دے رہے تھے۔ اگر کشمیر کی رعایا کو یہ فطری حق ہے کہ وہ ایک مستبد حکومت سے آزادی حاصل کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی موافقت نہ کی جائے، اور اس میں کوئی حصہ نہ لیا جائے۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ آزادی کے دشمنوں کو بھی آزادی کا خیال تو آیا جو آج کشمیر کے لئے آزادی طلب کر رہے ہیں، شاید کل ہندوستان کی حمایت میں بھی آواز بلند کریں۔

لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

جتندر ناتھ داس کی دردناک موت

اور

حکومت کی سنگدلی

معزز صدر اور حاضرین جلسہ مجھے ایک عرصہ کے بعد یہ موقع میسر ہوا ہے کہ میں ایک ایسے جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں جہاں ہندو اور مسلمان دونوں جمع ہیں میری خواہش تھی کہ آج میں کسی قدر مفصل تقریر کرتا۔ اور اپنے خیالات کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا لیکن میرے علاوہ اور معزز حضرات بھی اس جلسہ میں موجود ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے کوئی طویل تقریر کی تو شاید ان کے خیالات معلوم کرنے کا وقت نہیں رہے گا۔ اور معاملہ اس قدر اہم ہے کہ ہر ہندوستانی کو اپنے خیالات ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک ہندوستانی کا تریسٹھ دن بھوکا اور پیاسا رہکر جان دیدینا کوئی معمولی واقعہ نہیں، یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے، جو قوموں کی تاریخوں میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جایا کرتے ہیں، اور آنے والی نسلیں اس قسم کے واقعات پر ہمیشہ فخر کیا کرتی ہیں۔ (چیئرز اور نعرے)

معزز حاضرین آپ کو صرف اسقدر معلوم ہوگا کہ ایک شخص جس کا نام جتندر ناتھ داس تھا وہ لاہور کے جیل خانہ میں فاقہ کرتے کرتے مر گیا لیکن نہ تو

آپ ہنگر اسٹرائک کو سمجھ سکتے ہیں، اور نہ آپ بھوک ہڑتال کو جانتے ہیں، یہ چیزیں وہی لوگ جانتے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کے دن جیل خانہ کی کوٹھریوں میں گزارے ہیں۔ جو لوگ تنگ و تاریک کوٹھریوں میں اپنی عزیز زندگی کو نذر قوم و ملک کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کون سمجھ سکتا ہے کہ ہنگر اسٹرائک کس بلا کا نام ہے، اور ہنگر اسٹرائک کسے کہتے ہیں۔

حضرات ہنگر اسٹرائک اسیرانِ بلا کے اس مظلوم ایجی ٹیشن کا نام ہے۔ جو انتہائی بے بسی اور بیکسی کے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک قیدی، جب یہ دیکھتا ہے کہ مغرور حکام اس کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتے تو وہ مجبوراً کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے تاکہ سخت دل حکام یہ سمجھ لیں کہ اگر یہ مطالبہ منظور نہیں کیا گیا تو قیدی فاقوں سے اپنی جان دیدے گا۔ یہ ایجی ٹیشن یعنی مظاہرہ ایسے ہی وقت شروع کیا جاتا ہے۔ جب مظلوم قیدی ہر طرح اپنے مطالبات منوانے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اس وقت جس مطالبہ کی بنا پر یہ مظاہرہ شروع ہوا وہ اس قدر معمولی مطالبہ ہے کہ اگر گورنمنٹ اس کو تسلیم کر لیتی تو نہ گورنمنٹ کے پرسٹیج کو کوئی صدمہ پہونچنے کا اندیشہ تھا اور نہ ہندوستان کے خزانہ پر کوئی اثر پڑتا تھا ایک پولیٹیکل قیدی کا یہ مطالبہ اگر میں گورنمنٹ کی نگاہ میں واقعی مجرم یا ملزم ہوں اور گورنمنٹ کے نزدیک حصول آزادی کی جد و جہد واقعی کوئی بہت بڑا جرم ہے تو کم از کم ان قیدیوں کے ساتھ جیل میں وہ سلوک تو کیا جائے جو ایک سولجر اور گورے یوریین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیا ایک یوریین اخلاقی مجرم اتنا وقیع اور ذی حیثیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہندوستانی خواہ وہ کتنا ہی شریف اور خود دار مجرم کیوں نہ ہو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ کیا ایک ہندوستانی پولیٹیکل قیدی ایک یوریین بدمعاش کے برابر بھی نہیں ہے۔

جتندر داس اور اس کے رفقاء کا یہ مطالبہ کہ ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو ایک یورپین کے ساتھ کیا جاتا ہے، کوئی ناجائز مطالبہ نہ تھا اس مطالبہ کی سچائی سے کوئی شریف آدمی انکار نہیں کر سکتا ایک سنجیدہ، انسان بشرطیکہ اس میں انسانیت کا کوئی حصہ بھی باقی ہو اس مطالبہ کی سنجیدگی سے اعتراض نہیں کر سکتا لیکن گورنمنٹ جسکے غرور و تکبر نے پھر اعادہ کیا ہے اور ۹ سال کے بعد جو دوبارہ اپنی پریسٹیج کو قائم کرنے کی خواہش مند ہے اور جو ہندوستان کے شرفاء کو ذلیل کرنے پر کمربستہ ہے۔

اُس نے اس معمولی سے مطالبہ کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس بےاعتنائی کے ہاتھوں اس نے قیدیوں کو مرنے پر مجبور کر دیا۔ (نعرۂ شیم)

معزز حاضرین آپ جانتے ہیں کہ بھوکا رہ کر مرنا کوئی آسان کام نہیں پیٹ ایک ایسی بُری بلا ہے کہ انسان پیٹ کے لئے سب کچھ کرتا ہے کیونکہ کھانا کسی انتہائی مجبوری میں ترک کیا جاتا ہے پھر کھانا بھی اس طرح کہ ترک طعام کے باعث جان دیدی جائے یہ کون کہ سکتا ہے، مجھے اس وقت جان دینے والے کی شخصیت سے بحث نہیں اس نے اپنے مطالبہ کو یقیناً اس قابل سمجھا کہ اُس کے لئے جان دیدی، خودکشی اگرچہ مذموم ہے، لیکن سوال تو اس وقت ان شقی القلب اور سنگدل حکام کا ہے، جنہوں نے داس کو سسک سسک کر جان دیتے ہوئے دیکھا اور ان کے دل میں رحم نہ آیا مرنے والوں کا تو ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ انہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی ہے۔ (نعرۂ تحسین)

ھما خطتا اما اسار د امنۃ
و اما دم والقتل بالحر اجدر

میرے دوستو! سوال تو یہ ہے کہ گورنمنٹ کی یہ سنگدلی کہاں تک قرین انصاف ہے۔ اس واقعہ سے اتنی بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس دفتری اقتدار کے سامنے ایک ہندوستانی محب وطن کی جان کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ گورنمنٹ اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے ایک ہندوستانی مخلص فرزند کو پورے تریسٹھ دن بھوکا رکھکر مرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر اس دفتری حکومت کا یہی عدل و انصاف ہے تو میں صاف طور پر یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ داس کی لاش درحقیقت گورنمنٹ کے عدل و انصاف اور ادعائے مساوات کی لاش ہے۔ جس جنازے کو آج آپ ریل پر دیکھنے گئے تھے، وہ جتندر داس کا جنازہ نہ تھا بلکہ عدل و انصاف اور مساویانہ سلوک کا جنازہ تھا جس کا راگ آج تک گا کر ہندوستانیوں کو دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔

آج ان دعاوی باطلہ کی حقیقت پوری طرح نمایاں ہوگئی جن کو برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہمیشہ ہمارے سامنے نہایت زوردار الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ کالے اور گورے کو یکساں سمجھنے اور ایک آنکھ سے دیکھنے کا یہی مطلب تھا جو آج داس کی موت کے رنگ میں ظاہر ہوا۔

میں صرف ایک آخری اور مختصر بات عرض کرنا چاہتا ہوں کیا آپنے اس پر غور کیا ہے کہ اس قسم کے واقعات کیوں پیش آئے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہندوستانی اپنی پوزیشن پر غور کریں۔ اگر آپ اس ذلت کی زندگی کو برداشت کر سکتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ ہندوستان کی باہمی آویزش سے یہ ضرور خیال ہوتا تھا کہ آزادی اور سوراج میں تاخیر ہوگی۔ جو چیز دس سال میں مل سکتی تھی وہ ممکن ہے کہ سو سال میں دستیاب ہو۔ لیکن یہ خیال نہ تھا کہ گورنمنٹ ہماری باہمی آویزش سے اس قدر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے ذلیل اور افسوسناک ہتھیار دن

برائے آئے گی۔ (نعرہ) میرے معزز دوستو! ہندوستان کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اگر ایک قوم خواہ کتنی ہی اکثریت میں کیوں نہو سوراج حاصل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ خواہ کوئی جماعت کتنی ہی قلیل کیوں نہو۔ جب تک ملک کا ہر فرد مل کر کوشش نہ کرے گا کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ملک کا کوئی عضو خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہو اگر اسکو چھوڑ کر آزادی کی راہ طے کی جا سکتی ہے تو میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرونگا کہ یہ نہایت افسوسناک ذہنیت ہے اور اس کا ازالہ ہونا ضروری ہے۔

میرے دوستو۔ جب تک یہ غلط ذہنیت دور نہ ہوگی۔ ہندوستانی ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر ہماری باہمی آویزش کسی رواداری اور اتحاد باہمی پر ختم نہوئی تو اس سے زیادہ افسوسناک واقعات ظہور پذیر ہونے کا اندیشہ ہے میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آج یہ بدنصیب ملک باہمی آویزش اور بداعتمادی میں مبتلا نہ ہوتا تو برطانیہ کی ہرگز یہ ہمت نہ ہوتی اور اس کے مغرور حکام کو یہ جرأت کبھی نہ ہوتی اور نہ وہ اس بیدردی سے قیدیوں کے مطالبات کو ٹھکراتے، یہ دفتری اقتدار ہمیشہ قوت سے دبتا ہے۔ کاش اگر آج فضا درست ہوتی اور ہمارے دل صاف ہوتے تو ہم دیکھتے کہ کس طرح ہمارے مطالبات سے بے اعتنائی برتی جاتی اگر اب بھی ہندوستانی اپنی حالت کو درست کرلیں تو میں یقیناً عرض کرتا ہوں کہ موجودہ مطالبہ تو بہت ہی کم درجہ کا مطالبہ تھا آپ اس حکومت سے اپنے بڑے سے بڑا مطالبہ منوا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکومت ہمیشہ طاقت کے سامنے جھکتی ہے۔

معزز حاضرین۔ آپ مجھے معاف فرمایئں۔ میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا۔ جس چیز نے مجھے ایک عرصہ کے بعد اس جلسہ میں آنے کے لئے مجبور کیا۔ وہ صرف دفتری اقتدار کا غرور و تکبر ہے۔ جس کے اسباب

کو دیکھ کر میں مجبور ہو گیا ہوں کہ ایک دفعہ اور آپ کو اپنی درد بھری کہانی سُنا کر اپیل کروں اور خدا سے دُعا کروں کہ وہ ہندوستان کو خود اپنی عزت و آبرو کی تحفظ کی توفیق عنایت فرمائے۔

نوٹ۔ یہ تقریر آپ نے دہلی کے ایک عام جلسہ میں فرمائی۔
(۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء)

آج ہم نے ایک مکمل لائبریری کو سپردِ خاک کر دیا

حضرات! میں نے صدارت کی تحریک کے سلسلے میں عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صحیح حالات اور اُن کے حقیقی اوصاف و کمال تو حضرت مفتی صاحب قبلہ ہی بیان فرمائیں گے۔ کیونکہ :۔

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری!

حضرت مفتی صاحب قبلہ نہ صرف شاہ صاحب کے ہمعصر اور ہم سبق ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کے فخر میں دونوں شریک ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ایک ہی چشمۂ فیض کے دو دریا ہیں۔ جو ایک ہی منبع سے جاری ہوتے ہیں یا ایک دریا کی دو نہریں یا ایک بحرِ ناپیدا کنار سے نکلے ہوئے دو سمندر ہیں۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب کے متعلق صحیح معلومات اور حقیقی حالات تو مفتی صاحب فرمائیں گے۔ مجھ جیسا جاہل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و فنون اور اُن کے کمالات ظاہریہ و باطنیہ کے متعلق کیا عرض کر سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جو سمندر کے کنارے کھڑا ہوا ہو اور جس نے کبھی سمندر میں قدم بھی نہ رکھا ہو۔ اور جس کو سمندر کی گہرائی اور عمق میں کبھی غوطہ لگانے کی نوبت

نہ آئی ہو وہ اس تجربہ کار غواص کے متعلق کیا رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ جو ہمیشہ سمندر کے عمق میں سے موتی نکالا کرتا ہو۔ جس نے بڑے بڑے طوفانوں میں جہازرانی کی خدمت انجام دی ہو۔ اور جو تمام خطرناک طوفانوں کا مقابلہ کرتا رہا ہو، اور جس نے بڑے بڑے جہازوں کی ناخدائی کی ہو، اور جو بڑے بڑے سمندروں کی شناوری کا فخر حاصل کر چکا ہو۔ اُس کے اوصاف و کمالات وہ خشکی کا کیڑہ کیا بیان کر سکتا ہے۔ جس نے سمندر کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ جس طرح ایک خشکی کا کیڑا اور ناآشنائے بحر اس مگرمچھ کے کمالات ظاہر کرنے سے نا رہی ہے۔ جو چوبیس گھنٹے پانی کی گہرائیوں اور سیلاب کے بے پناہ جھکولوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اسی طرح مجھ جیسا جاہل حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کے کمالات و اوصاف کے بیان سے قاصر و عاجز ہے۔

واللہ علی مانقول وکیل ؕ

علم کی فضیلت

حضرات! میں چاہتا ہوں کہ مختصر وقت میں آپ کے سامنے صرف تین باتیں عرض کروں۔ ایک علم کے متعلق دوسری علماء کے متعلق، اور تیسری حضرت شاہ صاحب کی وفات کے سلسلے میں۔ علم کی فضیلت کا تذکرہ آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ بالخصوص عربی مدارس کے جلسوں میں تو عام طور پر علم کے فضائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ علم کی شان اور اُس کا مرتبہ صرف اس دعا سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو اللہ جل ذکرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ایک دعا تعلیم فرماتے ہیں۔ یعنی ہمارے حبیب ہم سے فلاں چیز طلب کرو۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں

کہ خداتعالیٰ ایک چیز اپنے حبیب کو دینا چاہتے ہیں تو وہ چیز کیا ہوگی۔ پھر دینا بھی اس طرح چاہتے ہیں کہ خود فرماتے ہیں کہ پہلے مجھ سے مانگو تاکہ اُس شئے کی اہمیت اور زیادہ ہوجائے۔ خیال ہوتا تھا کہ شاید مال و دولت طلب کرنے کی ہدایت کی جائے گی یا اولاد کی طلب کے متعلق ارشاد کیا جائے گا۔ یا کہا جائیگا۔ جنت مانگو۔ لیکن دیکھیے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ آپ ہم سے علم کی زیادتی طلب کیجئے۔ گویا اللہ تعالےٰ کی نظر انتخاب نے اپنے محبوب کے لئے جو چیز مفید اور نافع اور اُن کی شان کے لائق ضروری سمجھی اور جس کے طلب کرنے کی ہدایت کی وہ علم کی زیادتی تھی۔ جب پیغمبر کی شان میں وعلمك مالم تكن تعلم اور وكان فضل الله عليك عظيما۔ ارشاد فرما چکے تھے۔ اُسی پیغمبر کو تعلیم فرماتے ہیں کہ زیادتی علم ہم سے طلب کرو۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ علم کا مرتبہ اور علم کی شان اس حد تک بلند ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اور بھی عرض کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قلتِ وقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے صرف ایک ہی بات پر اکتفا کرتا ہوں۔

علماء کی فضیلت

معزز حاضرین! ہرچند کہ علم کی فضیلت سے اہل علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق صرف ایک حدیث بیان کردوں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے بارہا اہل علم کی فضیلت کا بیان سُنا ہوگا کہ طالب ان علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ مچھلیاں دریاؤں اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں علماء کی بقا و زندگی کے

لئے دُعا کیا کرتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قیامت میں شہدار کا خون اور مفتیانِ دین کے فتاویٰ کی سیاہی یہ دونوں چیزیں ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ کر وزن کی جائیں گی تو فتاویٰ کی سیاہی کا وزن شہدار کے خون کے وزن سے زیادہ ہوگا۔ حالانکہ خون ایک بہت وزنی چیز ہے۔ لیکن اہل علم کے فتوؤں کی سیاہی اُس وزن پر بھی غالب آجائے گی۔

آپ کو شاید پتہ ہوگا کہ علماءُ دنیا میں علم الٰہی کے خیمے ہیں۔ جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو گویا علم الٰہی کا ایک خیمہ زمین سے اُٹھالیا جاتا ہے۔ اہل علم اور حضرات علمار کا وہ گروہ ہے، جن کی ضرورت مسلمانوں کو جنت میں بھی پیش آئے گی، حالانکہ جنت عمل کی جگہ نہیں ہے۔ وہاں کسی عمل پر استفتا نہ ہوگا۔ بلکہ طلب انعامات کے سلسلے میں علمار کی ضرورت واقع ہوگی۔ حضرت حق کی طرف سے گھڑی گھڑی انعامات کی طلب کا تقاضا ہوگا۔ کہا جائے گا مانگو کیا مانگتے ہو۔ اب یہ کون بتائے کہ کیا مانگا جائے۔ اسلئے اہل علم کی ضرورت ہوگی کہ ہماری رہنمائی کیجئے اور ہم کو بتایئے کہ ہم اللہ جل ذکرہ سے کیا مانگیں۔ یہ تمام وہ فضائل ہیں جو آپ کو بارہا سننے کا اتفاق ہوگا۔ لیکن میں آپ کو صرف ایک روایت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا ہے فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاہل عابد پر عالم کی فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے، اور اس طرح تشبیہ دی ہے کہ ایک عابد پر عالم کو ایسی بلندگی حاصل ہے۔ جیسے میری بزرگی۔ ایک ادنیٰ مسلمان پر اب آپ خیال کیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایک امتی پر کس قدر بلندی اور برتری حاصل ہے۔ کہاں حضور کی ذات اقدس اور کہاں آپ کا ایک ادنیٰ

امتی جو فرق ان دونوں مرتبوں کے مابین ہے ۔ وہی فرق ایک عابد اور عالم کے مابین ہے ۔

حضرت شاہ صاحب

معزز حاضرین! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ مجھے حضرت شاہ صاحب کی ذات کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے ۔ اگرچہ اُن کے حقیقی کمالات و اوصاف تو مفتی صاحب ہی بیان فرمائیں گے ۔

حضرات! میں ذرا اس امر کو تفصیل کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں ، ہندوستان میں جو کچھ آپ کو علمی اثرات اور اہل علم کا وجود نظر آرہا ہے ۔ یہ سب دہلی کے اُس خاندان کا فیض ہے ۔ جو شیخ نزور کے پچھتے میں دفن ہے ۔ اور جس کا یہ احسان ہے کہ اُس نے ہندوستان کو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کیا ہے ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس خاندان کو خدمتِ حدیث کا شرف حاصل ہوا ہے وہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا خاندان ہے ۔ اُسی خاندان کے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب ، شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ تمام حضرات اسی مبارک خاندان کے افراد ہیں ۔ ان میں بعض حضرات ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے ، اور بعض آج بھی شیخ نزور کے پچھتہ میں جس کو آج مہندیاں کہتے ہیں آرام کی نیند سو رہے ہیں ۔ دہلی والے جانتے ہوں گے ۔ ایک زمانہ ہوا جب اس قبرستان کی مسجد میں شبینہ بھی ہوا کرتا تھا ۔ یہی قبرستان ہے کہ جہاں علم کے سمندر کے سمندر دفن ہیں ۔ آج جو علمار دیوبند کے نام سے مشہور ہیں ۔ مثلاً مولانا رشید احمد

صاحب۔ مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب اسی خاندان کے شاگرد ہیں۔ گویا دارالعلوم دیوبند اس تلاطم خیز سمندر کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو کبھی ترکمان دروازہ کے باہر موجیں مارا کرتا تھا، اور جس کی بے پناہ طغیانیاں سچ مچ آسمان سے باتیں کرتی تھیں، اور آج بھی جس کی خاموش روانی اہل بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

حضرات! دیوبند اسی خاندان سے عبارت ہے۔ جس کا نام شاہ عبدالرحیم صاحب رح کا خاندان ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے لوگوں کو جس طرح علم ظاہر میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح علم باطن میں ان لوگوں کی نسبت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کی جاتی ہے جو خلیفہ تھے، میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے۔

شاہ عبدالرحیم دہلوی اور میاں جی نور محمد جھنجانوی

میری اس مختصر سی تفصیل کے بعد یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہونچے ہوں گے کہ دارالعلوم دیوبند میں جو کچھ ہے وہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی اور میاں جی نور محمد صاحب جھنجانوی کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ جو چمن حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے ایک چھتہ میں لگایا تھا جس کو شیخ نزور کا چھتہ کہا جاتا تھا۔ اسی چمن کی یہ عطر بیزیاں اور اسی گلستاں کے یہ پھول ہیں جس سے آج نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا اُن کی خوشبو سے مہک رہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بنجر اور خشک زمین میں اپنے کمالات علمیہ کی تخم ریزی کی تھی) اور اس دارالحرب میں قرآن اور حدیث کی اشاعت اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اعظم گڈھ جیل میں خدا کی باتیں

پچھلے دنوں گورنمنٹ یو۔پی۔ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۱۳۰ کے ماتحت قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کی ایک تقریر پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے خلاف مقدمہ قائم کرکے ایک ماہ قید کی سزا دی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا ۲ جنوری ۱۹۴۱ء سے ۲۶ فروری تک اعظم گڈھ جیل میں حکومت کی غیر منصفانہ مہربانیوں کا شکار رہے۔

آپ نے جیل میں احدیث قدسیہ کا ترجمہ کیا جو تقریباً سات احادیث کا عام فہم اردو ترجمہ ہے احادیث قدسیہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے جس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق جل مجدہٗ سے روایت کرتے ہیں اور یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے یا کبھی حضرت جبریل کے واسطہ سے نقل فرماتے ہیں اور یوں ارشاد فرماتے ہیں مجھ سے جبریل نے کہا اور جبریل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس قسم کی احادیث کو حدیث قدسی کہا جاتا ہے ان تمام احادیث کو بڑی تلاش اور جستجو کے بعد حضرت مولانا نے ان تمام احدیث کو جمع کیا ہے۔

اور ان کا سہل اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جو مسلمان احادیث کا صحیح ذوق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بہت دلچسپ ہے قیمت تین روپئے

حضرت مولانا کی جملہ تصانیف

ملنے کا پتہ

دینی بک ڈپو اردو بازار۔ دھلی